تحفۃ الملوک

(والیٔ ریاست حیدر آباد دکن کو دعوت الی اللہ)

از

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مکرم و معظم جناب نواب صاحب (اَدَامَ اللّٰہُ مُلْکَکُمْ وَ زَادَ حَشْمَتَکُمْ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پیشتر اس کے کہ میں اس عریضہ کا مضمون شروع کروں مَیں جناب سے یہ عرض کر دینا پسند کرتا ہوں کہ بوجہ ایسی آب و ہوا میں تربیت اور تعلیم پانے کے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلامی آداب اور طرق سے مملو تھی میں طبعاً ان لفظی تکلفات سے جو مرور زمانہ سے مسلمانان ہندو ایران کے درمیان پیدا ہو گئے ہیں بیزار ہوں اس لئے اگر جناب میرے اس مکتوب کو ان الفاظ سے خالی پائیں جو عام طور پر شاہان زمانہ یا والیان ریاست کے حضور میں خطوط ارسال کرتے وقت لوگ استعمال کرتے ہیں تو مجھے معذور خیال فرمائیں کیونکہ اس کا باعث کمی ادب نہیں بلکہ اس کا موجب اسلامی سادگی ہے ورنہ میں بموجب حکم قرآن شریف ان لوگوں کی عزت دل و جان سے کرتا ہوں جن کو خدا تعالیٰ نے عزت دی ہے اور ایسے انسان کو شقی خیال کرتا ہوں جس کا دل ان لوگوں کے ادب سے خالی ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کا رتبہ دیا ہو کیونکہ یہ ان لوگوں کی ہتک نہیں بلکہ خود اس ذات کی گستاخی ہے جس نے ان کو کسی مرتبہ پر کھڑا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قرآن شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ کو بھی حکم فرماتا ہے کہ فرعون جیسے متمرّد بادشاہ کے پاس جاؤ مگر قُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا۔ (طٰہٰ:۴۵) اس سے درشتی اور بے ادبی سے کلام نہ کرنا بلکہ نرم نرم باتیں کرنا۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ میں ایک ایسے حاکم کی عزت نہ کروں جو میرے آقا اور محبوب آنحضرت ﷺ کے خدام میں ہونے کا فخر رکھتا ہو پس رائج الوقت تکلفات کو ترک کرنا کسی سوء ادب کے باعث نہیں بلکہ اسلامی تربیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں بیہودہ تکلفات سے علیحدہ رہوں ورنہ میں تو غیر مذہب کے بادشاہوں اور رئیسوں کا ادب بھی

ضروری خیال کرتا ہوں۔

میں اس بات کو ظاہر کر دینا بھی اپنی روشناسی کرانے کی غرض سے ضروری دیکھتا ہوں کہ میں پنجاب کے ایک معزز خاندان میں سے ایک شخص ہوں اور لوگوں میں مرزا بشیرالدین محمود احمد کے نام سے مشہور ہوں میرے والد مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی مسعود اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے مأمور تھے اور جماعت احمدیہ کے امام تھے جس جماعت کے پیرو جناب کی ریاست میں بھی آباد ہیں مجھے اس وقت اللہ تعالے نے محض اپنے فضل سے اس پاک جماعت کا امام بنا کر خلافت ثانیہ کے عہدہ پر مقرر فرمایا ہے چونکہ یہ جماعت عام لوگوں کی طرح نہیں ہے اس لئے آپ کی وفات کے بعد جماعت احمدیہ میں سے سب سے زیادہ نیک اور عالم اور متقی حضرت استاذی المکرم مولوی نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ماتحت آپ کے خلیفہ اول قرار پائے تھے اور آپ کی وفات پر اس عاجز کو خدا تعالیٰ نے جماعت کی حفاظت کے کام پر مقرر فرمایا ہے اور میں نہیں جانتا کہ میرے بعد یہ منصب اللہ تعالیٰ کس خاندان میں منتقل فرمائے گا۔

اس روشناسی کے بعد میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے اس مکتوب کے لکھنے کی تحریک ایک رؤیا کی بناء پر ہوئی ہے اور چونکہ رؤیا کا پورا کرنا بھی مؤمن کا فرض ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ اللہ تعالے نے عالم رؤیا میں جناب تک ایک امر حق پہنچانے کی جو مجھے تحریک فرمائی ہے عالم بیداری میں اس تحریک کو پورا کردوں۔ اس مکتوب میں جو جناب کی رفعت شان اور عام مخلوق کی بہتری کے خیال سے چھپوا کر جناب کی خدمت میں ارسال کیا گیا ہے اس خواب کا درج کرنا درست نہیں معلوم ہوتا ہاں اس قدر عرض کرتا ہوں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے جناب کو اس سلسلہ کے متعلق ایک مبسوط تقریر کے ذریعہ واقف کیا ہے اور جو کچھ میں نے جناب کو رؤیا میں کہا ہے اسی کا ایک حصہ جو مجھے یاد رہا مع کچھ زوائد کے اس مکتوب کے ذریعہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس مکتوب کو بابرکت کرے اور آپ کو بہت سے لوگوں کے لئے موجب ہدایت کرے۔ آمین یا رب العالمین۔

جناب سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ اسلام کی جو نازک حالت ان ایام میں ہے وہ پہلے کسی زمانہ میں نہیں ہوئی اور موجودہ حالت کو جب ابتدائے ایام کی حالت سے مقابلہ کر کے دیکھیں تو بدن پر رعشہ سا طاری ہو جاتا ہے کیونکہ ابتدائے اسلام کے احوال اور آج کل کے احوال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ اسلام نہایت غربت کی حالت میں تھا آنحضرت ﷺ فداہ

ایّ وامی تن تنہا اس پاک مذہب کی تعلیم سے لوگوں کو آگاہ کرتے تھے نہ کوئی مولوی تھا نہ عالم نہ واعظ نہ کوئی سلطنت اس دین کی حامی تھی نہ کوئی فوج وسپاہ اس دین کو دشمنوں کے حملوں سے بچانے پر مأمور تھی- بس وہی پاک وجود لاکھوں آفتوں اور کروڑوں مصائب کی موجودگی میں مکہ جیسے مقام میں (جس کے باشندوں کا واحد ذریعہ معاش بتوں کے استھانوں کی خدمت تھا اور جو کل عرب میں بتوں کے پجاری ہونے کی وجہ سے ہی معزز تھے) شرک کی بیخ کنی کے لئے رات اور دن مشغول تھا چند نیک طبع اور سلیم الفطرت انسان اس کی پاک اور بے عیب تعلیم کو سن کر اس پر ایمان لے آئے تھے لیکن کل شورہ پشت اور خبیث الفطرت انسان اس کے استیصال کے درپے تھے اور جس طرح بھی ہو اس کے دین کو مٹانے کے لئے ہر طرح سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے آخر آپ کے پیروؤں کو وطن سے بے وطن ہونا پڑا اور خود آپ کو بھی مدینہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی مدینہ آپ کے لئے اور بھی مشکلات کا مقام ثابت ہوا اور وہاں آپ کے عزم اور استقلال نے اور بھی نمایاں طور پر اپنا کمال دکھایا- کفار مکہ کی مخالفت بدستور جاری رہی یہود و نصاریٰ اور منافقین کے تین نئے گروہ بھی آپ کی ایذاءدہی پر استادہ و تیار ہو گئے-

آج مسلمان دنیا کے ہر گوشہ پر آباد ہیں اور ہر طبقہ کے انسان اسلام میں داخل ہیں گو پہلی سی شان و شوکت نہیں رہی مگر پھر بھی ایک دو آزاد حکومتیں بھی مسلمان ہونے کا دم بھرتی ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اکثر مسلمانوں کے دل اندر ہی اندر خوف سے بیٹھے جاتے ہیں کہ اب اسلام کا کیا حال ہو گا ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمان بشرطیکہ یورپ کی طاقت اور اس کی روزانہ بڑھنے والی رَو کا مطالعہ کر چکے ہوں اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں اسلام کا مسیحیت کی رَو میں نہ بہنا اور اپنی حیثیت کو قائم رکھنا ناممکن ہے بہت سے احمق یہاں تک کہہ چکے ہیں کہ ایک سو سال کے اندر اسلام دنیا کے پردہ سے مٹ جائے گا اور واقعہ میں جس طرح اس زمانہ میں اسلام پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ہر ایک مذہب اسلام کو اپنا شکار خیال کر رہا ہے وہ ظاہر بین انسانوں کو گھبرا دینے کے لئے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ گروہ جو زمانہ کی حالت سے واقف ہے اس وقت سخت مایوسی کی حالت میں ہے اور اسلام کی ترقی کے لئے کسی جدوجہد کو بھی مذبوحی حرکات سے زیادہ خیال نہیں کرتا یہ تو موجودہ زمانہ میں اکثر مسلمانوں کا حال ہے جو باوجود کروڑوں مسلمانوں کی موجودگی کے اس حد تک مایوس ہو چکے ہیں مگر اس کے مقابلہ پر آنحضرت ﷺ کو دیکھتے ہیں کہ آپ تن تنہا دنیا کا مقابلہ کرتے ہوئے بھی اس یقین سے معمور تھے کہ کل دنیا پر میں غالب آجاؤں گا

قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھوں میں آئیں گی دنیا کے ہر کونہ میں اسلام پھیل جائے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اسلام کو روک نہ سکے گی جو اسلام کی مخالفت کرے گا اور اس کے ترقی کرنے میں روک ہو گا وہ بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے گا قرآن کریم میں بھی متعدد آیات میں یہ ذکر ہے جیسا کہ فرمایا لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ (المجادلہ:۲۲)۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں اسلام دنیا کے کونہ کونہ میں پھیل گیا اور باوجود سب مذاہب اور سب اقوام کی متحدہ کوشش کے اسلام کی ترقی میں کوئی فرق نہ آیا اور اس نے ہر مذہب کو اپنے فاتحانہ بازو سے دبا لیا۔

زمین پر لیٹنے والے اور خاک پر سونے والے سات سات وقت کا فاقہ کرنے والے قرآن کریم کی اتباع اور آنحضرت ﷺ کی صحبت کے طفیل کہاں سے کہاں پہنچ گئے کسی نے شاہانہ اقتدار حاصل کیا کوئی کسی ملک کا گورنر ہو گیا تو کوئی فتحمند افواج کا کمانڈر مقرر ہوا انکی ترقی کسی انسانی دماغ کی کوششوں کا نتیجہ نہیں معلوم ہوتی بلکہ اسے بنظر غور دیکھنے والا صاف معلوم کرتا ہے کہ اس ترقی کا باعث کوئی آسمانی تائید اور نصرت تھی نہ زمینی تدابیر۔ دنیا نے چاہا کہ اسلام کو بڑھنے نہ دے مگر خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اسے بڑھائے پس مَکَرُوْا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ (اٰل عمران:۵۵) لوگوں نے ہزاروں تدابیر کیں کہ کسی طرح آنحضرت ﷺ کی زندگی کا خاتمہ کر کے اس خارق عادت ترقی کرنے والے مذہب کو اکھاڑ پھینکیں لیکن جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا۔ (التوبہ:۴۰)

لوگوں کا بغض و کینہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ مذہب کے خلاف کیا کر سکتا تھا؟ اسلام ایک پتھر تھا کہ جس پر گرا اسے توڑ دیا اور جو اس پر گرا ٹوٹ گیا۔ اسلام کے خادم دنیا کے مخدوم ہو گئے اسلام کے جاں نثار دنیا کے محبوب ہو گئے اسلام کے شیداؤں نے لاکھوں کو اپنا والہ و شیدا بنا لیا۔ کسی انسان نے اسلام کا نام لے کر ناکامی اور نامرادی کا پھل نہ چکھا بلکہ جس نے اس کے دامن سے وابستگی کی کامیابی اور کامگاری ہی کا منہ دیکھا۔ خسران و تباب سے محفوظ ہو گیا اسلام نے ویران گھرانوں کو آباد کیا وحشیوں کو دنیا کی مہذب ترین قوموں پر فضیلت دی۔ اسلام ایک تریاق تھا کہ جس نے چکھا شکوک و شبہات اور وساوس کی امراض سے محفوظ ہو گیا۔ سنگ پارس تھا کہ جو اس سے چھوا سونا بن گیا نہیں بلکہ خود کیمیا بن گیا جسے چھو کر وہ دل بھی جو لوہے کی طرح سخت تھے سونا بن گئے۔ غرض کہ اسلام سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا بلکہ اسلام ہر گھر کے لئے شادابی اور شادکامی کا موجب ہوا اور

کوئی نہ تھا جو کہتا کہ میں نے اسلام کے لئے کچھ چھوڑا اور گھاٹے میں رہا۔ قوموں نے اس سے برکت پائی اور ملکوں نے اس سے فضیلت حاصل کی۔

اسلام سے پہلے سینکڑوں نہیں ہزاروں مذہب موجود تھے لیکن اس کامل مذہب کے ظاہر ہوتے ہی مذاہب باطلہ کا طلسم ٹوٹ گیا اور سب مذاہب اس کے سامنے اس طرح ماند پڑ گئے جس طرح سورج کے سامنے ستارہ یا برقی لیمپ کے سامنے پرانا دیسی چراغ۔ نہ تو وہ مذاہب اسلام کا مقابلہ کر سکے جو فلسفہ اور حکمت کے زور سے دنیا پر فتح پا رہے تھے اور اسلام کی سادگی ان پر غالب آگئی اور نہ وہ مذاہب کچھ کر سکے جو باریک استعاروں اور لطیف تشبیہوں کی مدد سے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رہے تھے نہ وہ مذاہب کچھ کر سکے جو زبردست سلطنتوں کی مدد سے دنیا میں ترقی کر رہے تھے نہ ان مذاہب کو کوئی کامیابی ہو سکی جو عیش و عشرت کے دروازے کھول کر لوگوں کو اباحت کی تعلیم دے رہے تھے ہر ایک لالچ ہر ایک نمائش ہر ایک آزادی ہر ایک ملمع سازی اسلام کے سیدھے سادے مذہب کے مقابلہ میں شکست پا گئی اور اسلام دنیا پر غالب آگیا ظاہری اور باطنی دونوں طریق سے اسلام فاتح ہوا غیر مذاہب کی حکومتوں کی بجائے اسلامی حکومتیں ہو گئیں اور غیر مذاہب کو چھوڑ کر کروڑوں آدمی اسلام سے بغل گیر ہوئے۔ جو لوگ مسلمانوں کو دیکھتے اسلام کی صداقت کا اقرار کئے بغیر کوئی چارہ نہ پاتے۔

حتّٰی کہ اسلام کی ترقی کے آخری زمانہ میں بھی مسلمان بادشاہوں کو ہندو رؤساء نے لڑکیاں بیاہ دیں حالانکہ سناتن دھرم مذہب کسی ہندو کو مسلمان سے شادی تو الگ اس سے چھونے تک کی بھی اجازت نہیں دیتا اس زمانہ میں دین کا وہ چرچا نہیں جو مغلوں کی سلطنت کے زمانہ میں تھا اور اس وقت ہندو بادشاہوں میں وہ طاقت نہیں جو اس وقت تھی اس وقت وہ قریباً آزاد ہی ہوتے تھے اور ان کے اختیارات اسوقت کے راجاؤں سے بہت زیادہ تھے لیکن اب کوئی ہندو راجا جو اپنے مذہب کا پیرو ہو کسی یورپین کو لڑکی دینا کبھی پسند نہ کرے گا مگر مغل بادشاہوں سے راجاؤں کا لڑکیاں بیاہ دینا اس بات کا روشن ثبوت ہے کہ مسلمان کا رعب ایک خاص رنگ رکھتا تھا اور ان کے اندر ایک خاص کشش تھی۔ اکبر کی زندگی اس کا بیّن ثبوت ہے۔

مگر اس کے مقابلہ میں آج اسلام کی کیا حالت ہے ملک پر ملک مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے نہیں بلکہ سب ملک وہ اپنے ہاتھوں سے دے چکے ہیں اور ایک ایک کر کے سب ممالک ان کے ہاتھوں سے چھینے جا چکے ہیں ملک اور قومیں تباہ ہوتی چلی آئی ہیں اور کوئی تاریخ سے واقف

انسان کسی ملک کی تباہی پر حیران نہیں ہو سکتا کیونکہ جس طرح انسان مرتے ہیں اسی طرح ملکوں اور قوموں کی ترقیات پر بھی مرور زمانہ کا اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا جو قوم آج برسر حکومت ہوتی ہے وہ کل ذلت اور ماتحتی میں عمر بسر کرتی ہے پس کسی قوم کی تباہی پر حسرت کا ظاہر کرنا نادانی کی علامت ہے لیکن ایک ہی وقت میں دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف قوموں کی حکومت کا آناً فاناً تباہ ہوتے چلے جانا اور سب کا ایک ہی مذہب کے پیرو ہونا ضرور خاص معنے رکھتا ہے۔ ایک ملک کی مختلف ریاستیں بھی ایک وقت میں تباہی کی گھاٹ اتر سکتی ہیں کیونکہ مختلف حصص ملک کے حالات اکثر ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں لیکن ایک حکومت الجزائر میں ہے تو ایک مراکش میں ایک طرابلس میں ایک مصر میں ایک ہند میں ایک ایران میں ایک افغانستان میں ایک ترکستان میں ایک فلپائن میں ایک سوڈان میں ایک ابی سینیا میں اور یہ سب کی سب حکومتیں مختلف اوقات میں قائم ہوئیں اور مختلف اقوام کے زیر اثر انہوں نے ترقی حاصل کی پھر ایک ہی وقت میں ان کا گر جانا اور اسلام کی بجائے حکومت کا غیر مذاہب کے قبضہ میں چلا جانا ثابت کرتا ہے کہ اس تنزل کے اندر کوئی خاص راز ہے اور صرف واقعات روزمرہ کا یہ نتیجہ نہیں ہے نہ انسانی تدابیر اس کا موجب ہو سکتی ہیں ان کا اثر ایک ہی وقت میں مختلف ممالک اور مختلف اقوام کی مختلف الاصول حکومتوں پر پڑنا قرین قیاس نہیں ہے اور اگر کہا جائے کہ نہیں ایسا ممکن ہے اور اس تنزل کا باعث محض دنیاوی اسباب ہیں اور کوئی پوشیدہ طاقت اس کے پیچھے کام نہیں کر رہی تو پھر اس متفقہ امر کا بھی انکار کرنا ہوگا کہ اسلام کو خارق عادت ترقی حاصل ہوئی ہے اور اس کے ابتدائی ایام کی ترقی کوئی امتیازی رنگ اپنے اندر رکھتی ہے کیونکہ یہی دعویٰ مخالفین اسلام کا ہے کہ اسلام کی ترقی کوئی معجزانہ رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی بلکہ ایک عام ترقی ہے اور اس کی کئی وجوہات وہ بیان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل میں عرب ایک مدت تک آزاد رہ کر اس قسم کی استعدادیں پیدا کر چکے تھے کہ اس وقت کی متمدن قوموں پر جو اپنے ذہنی اور جسمانی قویٰ کو مدت ہائے دراز تک خرچ کرنے کے بعد اب تھک گئی تھیں فتح پا لیتے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ کا قیصر اور کسریٰ کے ممالک اور خزانوں کے فتح ہونے کی خبر دینا صرف عربوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مطالعہ اور ان دونوں سلطنتوں کے قریب آنے والے زوال کے آثار کے معائنہ کا نتیجہ تھا ورنہ اس میں کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اسلام اگر نہ بھی ہوتا تب بھی وہ حکومتیں تباہ ہو جاتیں اور اگر مذہب کے رنگ میں محمد (ﷺ) صاحب قوم کو نہ رنگین کرتے تو کسی اور لیڈر کے ماتحت عرب ترقی کرتے اور ضرور کرتے۔ مگر کوئی مسلمان اس بات کو ماننے کے

لئے تیار نہیں بلکہ ہر ایک مسلمان کا یہ عقیدہ اور مذہب ہے کہ اسلام کی ترقی ایک غیر معمولی ترقی تھی اور ایسے حالات میں تھی کہ جن کے ہوتے ہوئے کبھی کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ اسلام کا ابھارنے والا خدا کا ہاتھ تھا اسے ترقی دینے والی وہ ذات تھی جو زمین و آسمان کی خالق ہے اور واقعات سے اسی عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ جو شخص ایسی حالت میں ہو کہ خود اس کے ہم قوم اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں اور اس کے اصحاب کو قضائے حاجت کے لئے باہر نکلنے کا راستہ نہ ملتا ہو اور غیر تو غیر خود منافق جن کی مسلمانوں کے خوف سے جان نکلتی تھی مسلمانوں پر طعنہ کرنے لگیں کہ تمہارے دعوے کہاں گئے اب تو تم کو قضائے حاجت کے لئے بھی جگہ نہیں ملتی وہ نہایت شدومد سے دعویٰ کرے کہ میرے ہاتھوں میں قیصرو کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں اور ان کے محلات اور قصر پر میرے فرمانبرداروں اور غلاموں کا قبضہ ہو جائے گا۔

جس طرح اسلام کی ترقی کو معمولی علل و اسباب کا نتیجہ ظاہر کرنا واقعات سے منہ موڑنا ہے۔ اسی طرح اسلام کے تنزل کو عام تنزل کے اسباب کے ماتحت کرنا بھی ایک ظلم ہے مختلف ممالک اور مختلف اقوام کی حکومتوں کا جو ایک خاص مذہب سے تعلق رکھتی ہوں نہایت قلیل مدت میں تباہ ہو جانا ضرور معنی خیز ہے اور لازمی طور پر ایک چشم بصیرت رکھنے والے کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے کہ اس کا کوئی خاص سبب ہے اور وہ سبب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس طرح اسلام نے اللہ تعالیٰ کی تائید اور مدد سے خارق عادت ترقی کی تھی۔ اسی طرح مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے خارق عادت تنزل کا منہ دیکھا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اور جبکہ ہم احادیث نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھتے ہیں تو ان میں اس زمانہ کی طرف خاص اشارہ پاتے ہیں اور وہاں سے بھی ہمیں اس تمام تباہی کا ایک ہی باعث معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیں گے۔

ایک اور امر بھی قابل غور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کے تہوّر اور شجاعت میں کچھ فرق نہیں آگیا بلکہ صحابہؓ کے زمانہ کو ایک طرف رکھ کر کہ وہ ایک مستثنیٰ زمانہ تھا اس وقت کے مسلمان لشکروں نے پچھلے اسلامی بہادروں سے کچھ کم جاں فشانی کے کام نہیں دکھائے۔ اگر موجودہ زمانہ میں مسلمان حکومتوں کو دوسری حکومتوں کے سامنے شکست کھانی پڑتی ہے تو اس کی وجہ مسلمان سپاہیوں کی بزدلی نہیں بلکہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر نے دشمن سے بڑھ کر مصائب برداشت کر کے ثابت قدمی کو ترک نہیں کیا مگر پھر بھی ایسے ایسے بواعث پیدا ہوتے رہے

ہیں کہ باوجود بہادری کے اعلیٰ سے اعلیٰ جوہر دکھانے کے مسلمانوں کو شکست ہی ہوئی اور بجائے دشمن کا ملک چھیننے کے کچھ اپنا ملک ہی اسے دینا پڑا۔ اگر پچھلی صدی کی اسلامی جنگوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو بجائے ظاہری بواعث کے زیادہ تر پوشیدہ بواعث ہی نکلیں گے کہ جو اسلامی حکومتوں کی شکستوں کا باعث ہوئے بہت کثرت سے ایسے معرکے ہوئے ہیں کہ ہر طرح اسلامی لشکر کامیاب و مظفر رہا لیکن انجام کار کوئی ایسی بات پیش آگئی کہ آخری میدان دشمن کے ہاتھ رہا۔ پس ان واقعات کے ہوتے ہوئے صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ان نقصانات کی تہ میں دنیاوی اسباب کے علاوہ کوئی پوشیدہ سبب بھی ہے اور وہ وہی امر ہے جو میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مسلمانوں نے خدا تعالیٰ کو چھوڑ دیا اس وقت اول تو کوئی ایسی اسلامی سلطنت رہی ہی نہیں کہ جسے حقیقی معنوں میں سلطنت کہا جا سکے اور اگر کوئی ہے تو وہ بجائے مسلمانوں کے سکھ کا باعث ہونے کے ان کے لئے دکھ کا باعث ہو رہی ہے عام طور پر حکومتیں لوگوں کے سکھ کا باعث ہوتی ہیں اور بادشاہ کے ہم مذہب اس حکومت کو اپنے مذہب کے لئے ایک پشت پناہ سمجھتے ہیں لیکن اسلامی حکومتیں بجائے مسلمانوں کے آرام کا ذریعہ ہونے کے ان کے لئے دکھ کا باعث ہو گئی ہیں اور آئے دن ایسے مصائب میں مبتلاء رہتی ہیں کہ ان کے ساتھ کل دنیا کے مسلمان بھی انگاروں پر لوٹتے ہیں پس یہ حکومتیں سکھ تو کیا پہنچا سکتی ہیں ان کے ذریعہ مسلمانوں کا ہمیشہ کے لئے غم والم سے پالا پڑ گیا ہے۔

غرض یہ کہ ظاہری حالت مسلمانوں کی ایسی کمزور ہے کہ دنیادار انسان بے اختیار بول اٹھتا ہے کہ اب اس مذہب کا خاتمہ ہے اور یہ کہ اسلام کے لئے تھوڑے دنوں کے بعد کوئی جگہ سر چھپانے کو بھی نہ ہوگی اور ہر ایک دردمند دل اس کیفیت کو دیکھ کر ضرور کڑھتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ کونسا مسلمان ہوگا جو اس حالت کو دیکھ کر غمگین نہ ہوتا ہو لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک اور بات ہے جو اور بھی کمر کو توڑنے والی ہے۔

ظاہری حکومتوں کا چلے جانا بھی ایک عظیم الشان مصیبت ہے کیونکہ ان دنیاوی سامانوں سے بھی دین کو ایک حد تک تقویت ہوتی ہے لیکن اگر یہ نہ ہوں اور انسان کو امن کی زندگی مل جائے تو وہ بھی ترقی کے لئے بہت ممد و معاون ہوتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے بھی مبعوث ہوتے رہے ہیں کہ جن کو ساری عمر حکومت نہیں ملی اور وہ دوسری حکومت کے ماتحت ہی گزارہ کرتے رہے جیسے زکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔ پس اگر حکومت ہی دین کی تقویت کا واحد ذریعہ ہوتی تو ان انبیاء کو بھی ضرور کسی نہ کسی وقت حکومت مل جاتی پس انبیاء کا

اپنی ساری عمر حکومت سے علیحدہ رہنا ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکومت کے علاوہ اور بھی ایسے ذرائع مقرر فرمائے ہیں جو مذہب کی ترقی اور تقویت کا باعث ہوتے ہیں پس یہ ظاہری کمزوری ایسے دکھ کا باعث کبھی نہ ہوتی جس قدر کہ مسلمانوں کی دینی کمزوری تکلیف کا موجب ہے اس وقت کم سے کم برٹش گورنمنٹ کے زیر سایہ ممالک میں مسلمان ہر طرح آزاد ہیں اور انہیں مذہبی مراسم کے ادا کرنے میں کسی قسم کی تکلیف نہیں۔ مساجد میں بلند آواز سے اذان کہی جاتی ہے اور پنج وقتہ نماز ادا ہوتی ہے لوگ روزہ رکھتے ہیں حج کرتے ہیں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ گورنمنٹ نے کبھی کسی طرح بھی مذہبی دست اندازی نہیں کی اور ہر طرح کی مذہبی آزادی دے رکھی ہے اور ممالک کو اگر علیحدہ رکھیں تو ہندوستان کی حالت ہم سے پوشیدہ نہیں کہ ابھی زیادہ مدت نہیں گزری کہ مرہٹوں اور سکھوں کے زمانہ حکومت میں مسلمانوں کو کس قدر تکالیف تھیں اور کس طرح ان کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں دست اندازی کی جاتی تھی مسجدوں کی بجائے گوردوارہ اور مندر بنے ہوئے اب تک موجود ہیں خود ہمارے گاؤں یعنی قادیان میں ایک گوردوارہ ہے جو پہلے ہمارے گھر کی مسجد تھی لیکن جب سکھوں نے ہمارے دادا کے والد کو رات کے وقت چھاپا مار کر شہر سے نکلنے پر مجبور کیا تو ان کے ایام حکومت میں یہ مسجد گوردوارہ بنائی گئی۔ اب تک محرابوں کے نشان موجود ہیں سقاوے بنے ہوئے ہیں۔ پس ہم لوگ خوب جانتے ہیں کہ ظالم حکومت کیا کچھ نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ ہم گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے ہیں اور جس طرح اس مہربان گورنمنٹ نے مذہبی آزادی دے رکھی ہے اس کے شکریہ کی اپنے اندر طاقت نہیں پاتے اللہ تعالیٰ ہی اس محسن حکومت کو اعلیٰ سے اعلیٰ ترقیات عطا فرمائے نہایت سیاہ باطن ہے وہ انسان جو اس گورنمنٹ کے احسانات کو نہیں مانتا اور باوجود اس قدر آزادی کے اس سے بغض رکھتا ہے مگر یہی گورنمنٹ کا احسان دلوں پر نمک بھی چھڑکتا رہتا ہے کیونکہ جب دیکھا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اس پُر از انصاف عہد سے فائدہ نہیں اٹھایا اور جو مذہبی آزادی اس گورنمنٹ نے عطا فرمائی تھی اس کی قدر نہیں کی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مسلمان اس وقت اور اس امن سے فائدہ اٹھا کر دینی طور پر ترقی کرتے لیکن وہ روز بروز گرتے ہی چلے جاتے ہیں اور اس بات کے ثبوت کے لئے حکومت کے جیل خانے کافی شہادت ہیں۔ کس قدر دل کو دکھ پہنچانے والا بلکہ دل کو خون کر دینے والا وہ نظارہ ہوتا ہے جب کوئی مسلمان جیل خانوں کی سیر کرتا ہے کیونکہ سب جیل خانے مسلمانوں سے بھرے پڑے ہیں اور ان کی اخلاقی حالت بجائے دوسری قوموں سے اعلیٰ ہونے کے بہت ادنیٰ ہے اور وہ

اسلامی آبادی کے تناسب سے بہت زیادہ قید خانوں میں نظر آتے ہیں ان کے گناہ بھی کوئی معمولی نہیں ہوتے گندے سے گندے اور بد سے بد اعمال کے بدلہ وہ سزائیں بھگت رہے ہیں چوریاں' ڈاکے' زنا بالجبر' آوارگی' قتل' غداری' خیانت' مجرمانہ دھوکا دہی' ٹھگی' استحصال بالجبر' جعلسازی وہ کونسا گناہ ہے جس کے مسلمان مرتکب نہیں اور یہ تو وہ گناہ ہیں جن پر گورنمنٹ کی طرف سے مؤاخذہ ہوتا ہے ورنہ اور ایسے بہت سے گناہ ہیں کہ جن کے ذکر سے بھی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان ان کے مرتکب ہو رہے ہیں حتّٰی کہ بعض موقع پر محرمات کی حرمت کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ دین سے وہ بے پرواہی ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں امراء عیاش اور دنیا طلبی میں مشغول ہیں صوفیاء گانے اور قوالی سننے میں مصروف ہیں علماء جھوٹے فتوے دیتے ہیں وعظ بھی کہتے ہیں لیکن خود عمل نہیں کرتے۔ نئے تعلیم یافتہ خود وجود باری سے منکر ہیں اور اپنی خاص مجالس میں ہستی باری کے عقیدہ کو ایک لغو اور بے ثبوت عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ دین کو وہم اور شریعت کو قید خیال کرتے ہیں عوام ان جماعتوں میں سے جس کے ساتھ تعلق ہو اسی کے رنگ میں رنگین ہیں جس قدر فاحشہ عورتیں مسلمانوں میں سے ہیں جو عصمت فروشی پر فخر محسوس کرتی ہیں غیر قوموں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

پس یہ حالت ایسی نہیں ہے جسے دیکھ کر ایک دردمند دل بے اختیار نہ ہو جائے۔ نام ہی اسلام کا رہ گیا ہے ورنہ کام کے لحاظ سے تو اسلام کا کچھ بھی باقی نہیں رہا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گورنمنٹ برطانیہ کے زیر سایہ ہندوستان کے مسلمانوں نے کچھ تجارتی اور علمی ترقی کی ہے لیکن اسے اسلام کی ترقی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اسلام کی بعثت کی اصل غرض دنیا کی ترقی یا اموال دنیا کی زیادتی نہ تھی بلکہ اس کا اسلام کے مدعا اور مقصد کے ساتھ کوئی تعلق یا رشتہ ہے ہی نہیں وہ مذہب قطعاً مذہب کہلانے کا مستحق نہیں ہے جو دنیاوی ترقی کو اپنا منتہاء و مقصد ظاہر کرے کوئی ایسا مذہب جو کسی خاص قوم یا ملک سے تعلق رکھے جیسا کہ اسلام سے پہلے مذاہب تھے ان کا مدعا تو دنیاوی ترقی ہو بھی سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک وقت کوئی قوم ذلیل اور خوار ہو اور مذہب کی آڑ میں اپنی حکومت جمانا چاہے لیکن اسلام کا تو دعویٰ ہے کہ میں سب دنیا اور سب اقوام کے لئے ہوں۔ بحیثیت مذہب اسلام کے لئے عرب' رومی اور ایرانی ایک سے ہیں۔ پس اگر اسلام کا مدعا صرف اتنا ہی ہو کہ دنیا میں بادشاہتیں قائم کی جائیں تو یہ کام پہلے ہی ہو رہا تھا۔ رومیوں اور ایرانیوں کی زبردست حکومتیں قائم تھیں۔ ہندو چین بھی دنیاوی حالت میں کمزور نہ

تھے پس اگر اسلام کا مدعا دنیاوی ترقی تھا تو پھر اسلام کی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ مسلمانوں کے خزانوں سے قیصرو کسریٰ کے خزانے زیادہ معمور تھے اور اسلامی دربار کی سادگی ایرانیوں اور رومیوں کے درباروں کے تکلفات کا قطعاً مقابلہ کر ہی نہیں سکتی تھی پس یہ خیال کرنا کہ اسلام کا مدعا دنیاوی ترقی تھا اور اس کے نزول کی غرض صرف قوموں کو ابھار کر دنیا کمانے اور اس میں مسابقت تھی اسلام پر ایک ظلم عظیم ہے اور کوئی کور چشم ہی یہ دعویٰ کرے تو کرے اور کسی کا حق ہی کیا ہے کہ وہ ایسی لغوبات اسلام کی طرف منسوب کرے جبکہ خود قرآن کریم آنحضرت ﷺ کی بعثت کی غرض یہ بیان فرماتا ہے کہ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔ (البقرہ: ۱۵۲-۱۵۳) جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں لوگوں میں سے ہے اس کا کام یہ ہے کہ وہ تم پر ہمارے دلائل و براہین پڑھتا ہے اور اس طرح تم کو پاک کرتا اور مدارج عالیہ کی طرف بڑھاتا اور اٹھاتا ہے اور تم کو شریعت سکھاتا ہے اور پھر احکام شریعت کے باریک در باریک حِکَم اور پوشیدہ اسرار پر واقف کرتا ہے اور صرف وہی تعلیم نہیں دیتا جو کہ پہلے صحیفوں میں پائی جاتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ایسی تعلیم دیتا ہے جو تم لوگوں کو معلوم ہی نہیں تھی پس تم لوگ میرا ذکر کرو تا کہ میں بھی تمہیں اپنے دربار میں یاد دوں اور میرے انعامات پر جو اس رسول کے ذریعہ سے تم پر کئے ہیں شکر بجالاتے رہو اور میری ناشکری نہ کرنا۔ پس اسلام لوگوں کو علم و حکمت اور دلائل و براہین امور ایمانیہ غیبیہ اور طریق تزکیہ نفوس اور حصول مدارج عالیہ اور وہ معارف جو قرب الٰہی کے حصول میں انسان کے مدہوں سکھانے کے لئے آیا ہے نہ اموال دنیا کے اکتساب اور حکومت و سلطنت کے قیام کے طریق سکھانے کے لئے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک کامل مذہب ہے اور اپنے کامل ہونے کی وجہ سے انسان کو کسی ایسے ضروری امر سے جو انسان کی ترقی میں کسی راہ سے بھی مدہو نہیں روکتا اور جہاں دینی ترقیوں کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے وہاں دنیاوی ترقیات کے حصول کی بھی ترغیب دیتا ہے اور تمام انسانوں کو معزز اور مکرم ہونے کی تاکید کرتا ہے کوئی علم مفید نہیں جس کے سیکھنے میں اسلام مانع ہو بلکہ علوم مفیدہ کے حصول کے لئے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں مسلمانوں کو بار بار تاکید کی گئی ہے اسی طرح تجارت اور صنعت و حرفت کی ترقیوں سے بھی بجائے منع کرنے کے

اسلام نے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔

اسلام اس عقیدہ کا سخت دشمن ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں نہیں داخل ہو سکتے اور یہ کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ سے گزرنا بہت آسان ہے اس سے کہ کوئی دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو بلکہ اسلام تو غریب و امیر کا مذہب ہے اور کسی خاص فرقہ سے متعلق نہیں۔ زکوٰۃ کے احکام بتا رہے ہیں کہ اسلام روپیہ جمع کرنے سے بھی منع نہیں کرتا اور اپنی دولت لٹا کر اس میں داخل ہونے کا طالب نہیں اور یہ نہیں کہتا کہ تو کل کی فکر آج نہ کر بلکہ قرآن کریم کا تو حکم ہے کہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (الحشر:۱۹) انسان کو کل کی فکر آج کرنی چاہئے اور دیکھتے رہنا چاہئے کہ میں نے کل کے لئے آج کیا سامان کئے ہیں۔ ہاں اسلام ہر قسم کے وہموں اور دور از کار خیالوں سے بھی روکتا ہے کیونکہ وہ انسانی ترقیات کے راستہ میں روک ہوتے ہیں اور قبل از وقت روح انسانی کو گھن ہو کر لگ جاتے ہیں۔

غرض کہ اسلام دنیاوی ترقیات سے روکتا نہیں بلکہ ان کی طرف رغبت دلاتا ہے مگر باوجود اس کے یہ کہنا ایک ظلم عظیم ہوگا کہ اسلام کی غرض دنیاوی ترقیات تھی کیونکہ یہ مقصد تو بغیر کسی مذہب کے بھی حاصل ہے اگر اسلام نہ آتا تو کیا لوگ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہوتے بلکہ قرآن کریم سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی تمام تر توجہات دنیا کے حصول کی طرف ہی لگی ہوئی تھیں جیسا کہ فرمایا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف: ۱۰۵) یا فرمایا ہے كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ○ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ○ (القیامۃ:۲۱، ۲۲) یا فرمایا ہے کہ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ (الاعلیٰ:۱۷-۱۸)

اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر بہیمی صفات کی طرف خود بخود مائل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان میں جو بہیمی خواہشات ہیں وہ اپنے اندر ایک نہایت عاجلانہ لطف رکھتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ لوگ جسمانی آرام کی خاطر بہت سا وقت خرچ کر دیتے ہیں اور بہت ہوتے ہیں جو کھانے پینے یا پہننے کے آرام کی فکر میں ہی اپنی ساری عمر صرف کر دیتے ہیں اور ان کی رات دن کی محنتیں اور کوششیں صرف ان کے بہیمی جذبات کو پورا کرنے کے لئے ہوتی ہیں اور چونکہ ان جذبات کا پورا کرنا زیادہ تر دنیا کے اموال و امتعہ کے حصول پر مبنی ہے اس لئے لوگ دنیا کی طرف بہت متوجہ ہوتے ہیں اور جسقدر حق سے دور ہوں اور معرفت الٰہی سے خالی ہوں اسی قدر دنیا کے کمانے میں منہمک اور مشغول ہوتے ہیں کیونکہ اس کے کمانے میں ان کے بہیمانہ جذبات کے پورا

ہونے کے سامان پیدا ہوتے ہیں اور اموال و امتعہ کا حاصل کرنا اسی باعث سے ہوتا ہے تا انسان اپنے جسم کو آرام پہنچائے اور ان بہیمی خواہشات کو پورا کرے جو انسان میں اکثر اوقات بڑے زور سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ پس جو کام انسان کے اندر خود بخود ہی ہو رہا ہے بلکہ مذہب سے دور ہو کر جو انسان کی واحد غرض ہو جاتی ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اسلام کا مدعا اس طرف متوجہ کرنا ہے اسلام کو عبث قرار دینا ہے کیونکہ جو کام اسلام کے وجود سے بھی پہلے سے ہو رہا ہے بلکہ اسلام کو ترک کر کے لوگ اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں جیسے کہ مذہب سے آزاد اقوام ہیں کہ ان کی زندگی کا ایک یہی مقصد ہے کہ وہ دنیا کمائیں اور اپنے نفسانی جذبات کو پورا کریں اور کھانے پینے اور پہننے اور آرام سے زندگی بسر کرنے میں ہی اپنے دلوں کی خوشی پاتے ہیں اس کو اسلام کی غرض و غایت قرار دینا گویا اسلام کو فضول اور لغو قرار دینا ہے پس اگر دنیاوی ترقی یا بہیمی جذبات اور نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے سامان مہیا کرنے کی طرف متوجہ کرنا ہی اسلام کی اصلی غرض ہے تو یہ غرض اسلام کے بغیر بھی پوری ہو رہی ہے اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے کسی نبی کی بعثت کی ضرورت نہ تھی خود نفس انسانی اس کے لئے کافی محرّک ہے۔

پس اس زمانہ میں مسلمانوں نے اگر بعض عادل اور انصاف پسند حکومتوں کے ماتحت یورپ کی دنیاوی ترقی کو دیکھ کر تجارت میں ترقی کی ہے یا علوم جدیدہ کے سیکھنے میں کچھ دلچسپی ظاہر کی ہے تو خواہ وہ ترقی کے آخری نقطہ تک ہی کیوں نہ پہنچ گئے ہوں اسے اسلام کی ترقی نہیں کہہ سکتے اور مسلمانوں کا علوم جدیدہ میں مہارت پیدا کر لینا یا تجارت میں کوشش کرنا اسلام کی ترقی نہیں کہلا سکتا کیونکہ جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے اس ترقی کا اسلام کی ترقی سے کچھ تعلق نہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہونا اور اسلام کے مستقبل پر اطمینان ظاہر کرنا اول درجہ کی نادانی اور اسلام کی اصل حقیقت سے بے خبری کی علامت ہے کیونکہ اگر اسلام کا مقصد یہی تھا تو اس مقصد کو یورپ کے لوگ کافی طور پر پورا کر رہے ہیں بلکہ ان کی توجہ دنیا کی طرف مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے حتّٰی کہ مسلمانوں کی تجارتی اور علمی ترقی کو یورپ کے مقابلہ میں ایک پہاڑ کے مقابلہ میں ایک ٹیلہ کی نسبت بھی نہیں دی جا سکتی پس سخت غلطی خوردہ ہیں وہ انسان جو مسلمانوں کی ذہنی یا علمی یا تجارتی ترقی کو اسلامی ترقی کہہ کر خوش ہوتے ہیں اور مسلمانوں کو ان شعبہ ہائے ترقی کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں اگر وہ سمجھتے کہ ان امور کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔ میں جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں اسلام ایک صادق مذہب ہونے کی وجہ سے انسانی دماغ کے تمام مفید خیالات کے پورا کرنے کا ممد و معاون

ہے اور کسی قسم کی ترقی سے روکتا نہیں بلکہ مسلمانوں کو ہر قسم کے علوم سیکھنے اور ہر رنگ میں ترقی کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر باوجود اس کے ان ترقیات کو اسلام کی ترقی نہیں کہا جا سکتا اور اگر مسلمان ان میدانوں میں اپنے دشمنوں کو شکست بھی دے دیں تب بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام کی فتح ہوئی۔

پس اسلام کسی اور ہی چیز کا نام ہے اور وہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری اور اس کے احکام کی پوری پوری اتباع اور رب العالمین خدا سے انسان کے تعلق کا مضبوط کرنا اور یہی غرض ہے جس کے پورا کرنے کی طرف آنحضرت ﷺ ساری عمر متوجہ رہے آپ کی زندگی کا ایک ایک کام اور آپ کی ایک ایک حرکت اس بات کو ثابت کر رہی ہے کہ آپؐ کے مد نظر صرف یہی بات تھی کہ کسی طرح دنیا پر عظمت الٰہی کا اظہار ہو اور لوگ ہر قسم کے نفسانی جذبات اور خواہشات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور ان کا چلنا پھرنا کھانا پینا سونا جاگنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہو جائے۔ ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک ہو کر عرفان تام ان کو حاصل ہو اور بندوں اور رب میں جو روکیں اور پردے حائل ہیں دور ہو جائیں اور بندے اپنے خالق و رازق کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور یہی کام تھا جو آپ ساری عمر کرتے رہے پس اگر مسلمانوں میں ان باتوں کا فقدان ہو اور وہ ان اغراض کو پورا نہ کر سکیں تو ان کی حکومتیں ہوں یا نہ ہوں، تجارتوں میں ترقی کریں یا تنزّل، علوم جدیدہ سے واقف ہوں یا نہ ہوں اسلام کو ان کی ترقی یا تنزّل سے کوئی فائدہ یا نقصان نہیں ہے کیونکہ جب ان میں اسلام ہی نہ ہو تو ان کی کسی ترقی پر اسلام کے دلدادگان کو کیا خوشی ہو سکتی ہے اور دنیاوی ترقیات پر جن میں اہل یورپ ان پر فضیلت رکھتے ہیں ہم کیونکر خوش ہو سکتے ہیں اسلام کی اصل غرض جب تک پوری نہ ہو تو اور سب کچھ ہیچ ہے اور جب ہم غور سے دیکھتے ہیں تو جو اسلام کی اصل غرض ہے اس سے مسلمان روز بروز دور ہوتے چلے جاتے ہیں بلکہ اکثر تو ایسے ہیں جو اس قدر بھی نہیں جانتے کہ اسلام کی اصل غرض کیا ہے وہ مسلمان کہلاتے ہیں لیکن مسلمان ہونا ان کے لئے ایک قوم سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا وہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام ایک بڑی قوم کا نام ہے جس کے اندر اور چھوٹی چھوٹی قومیں ہیں اور مسلمان کہلانے کا اس سے زیادہ مطلب نہیں کہ ہم مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوئے ہیں اور جبکہ اصل غرض سے لوگ روز بروز دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور لیڈران قوم بھی اسلام کی ترقی کو دنیاوی ترقی کے مترادف خیال کرتے ہیں تو اسلام کے بہی خواہوں کو خوش نہیں بلکہ رنجیدہ ہونا چاہئے کہ

جو اصل غرض تھی وہ تو مفقود ہو گئی اور ادنیٰ باتوں کی طرف لوگ متوجہ ہو گئے۔

اس وقت مسلمانوں کے لیڈران قوم کی ایسی ہی حالت ہے کہ جیسے ایک شخص مر رہا ہو اور اس کے دوست اس کے ناخن کاٹنے اور بال سنوارنے میں مشغول ہوں اور ساتھ ساتھ خوش ہوتے جائیں کہ دیکھو اب چہرہ کیسا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس کے علاج کی طرف متوجہ نہ ہوں گے تو وہ مر جائے گا زینت تو زندگی کے ساتھ ہے اگر وہ زندہ ہی نہ رہا تو اس زینت سے کیا فائدہ۔ پس جب اسلام ہی ہاتھ سے جا رہا ہے اور مسلمان روز بروز دین سے بے بہرہ ہو کر طرح طرح کے گندوں میں مبتلاء ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر سے ایمان ان کے دلوں سے اٹھ رہا ہے اور اگر کوئی شخص مسلمان کہلاتا بھی ہے تو صرف رسمی طور پر تو دنیاوی ترقیات کی طرف متوجہ ہونا یا ان پر خوش ہونا فعل عبث ہے اصل غرض تو مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کا پیدا کرنا ہے اگر اس سے مسلمان دور ہو گئے تو ان کی ترقیات ہمارے لئے ہرگز ہرگز خوشی کا باعث نہیں۔ اسلام مسلمانوں کی جان ہے جب وہی نکل گئی تو ان زینتوں کو کیا کرنا ہے یہ تو زندگی کے ساتھ ہیں جب زندگی کا پانی ختم ہو گیا تو یہ سب زینتیں بجائے سکھ کے دکھ کا موجب ہیں مگر افسوس کہ بجائے اسلام کے قیام کے مسلمانوں کی توجہ حکام دنیوی کی طرف لگ رہی ہے اور جو وجاہت حکومتوں کے زوال کی وجہ سے جا چکی ہے اسے تجارت میں ترقی اور علوم جدیدہ کے حصول سے پورا کرنا چاہتے ہیں اگر وہ اصل مقصد کی طرف بھی توجہ رکھتے اور ساتھ ہی دنیاوی مقابلہ بھی جاری رہتا تو اس میں کچھ حرج نہ تھا مگر اصل مقصد کو بالکل نظر انداز کر کے دنیا ہی میں غرق ہو جانا اور اصل مرض کا ترقی کرتے جانا خطرناک علامات سے ہے۔

اسلام سے بے پرواہی کا جو نتیجہ اب تک نکل چکا ہے وہی انسان کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی سے زیادہ ہے۔ ہزاروں مسلمان ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذاہب اختیار کر چکے ہیں اور جن کے باپ دادا اپنی تمام عزت و عظمت اسلام پر عمل کرنے میں پاتے تھے اب ان کی اولاد اسلام میں ہزاروں عیب بتاتی ہے اور تو اور خود سادات میں سے بیسیوں خاندان مسیحی ہو چکے ہیں اور وہی قوم جس کی آنحضرت ﷺ کے طفیل تیرہ سو برس تک عزت ہوتی چلی آئی ہے اب اسی میں سے ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو اس پاک وجود کو سٹیجوں پر کھڑے ہو کر گالیاں دیتے ہیں اور اسلام سے علی الاعلان بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر نظر غائر سے مسلمانوں کی حالت کا مطالعہ کیا جائے تو کثرت سے ایسے مسلمان ملیں گے جو اسلام سے بے خبر ہی نہیں اس سے متنفر ہو چکے ہیں اور یہ

حالت صرف ہند کی ہی نہیں بلکہ تمام ممالک کا یہی حال ہے حتّٰی کہ جو اسلامی ممالک کہلاتے ہیں ان میں بھی دین کی ایسی ہی بے قدری ہے جیسے دوسرے ممالک میں۔ اسلام ایک قشر کی طرح رہ گیا ہے اور بجائے ایک قابل تعریف مذہب کے قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے اور جو مذہب مرجع خلائق تھا اور یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر:۳) جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اب یَخْرُجُوْنَ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا مصداق بن رہا ہے لاکھوں آدمی اس دین سے پھر گئے ہیں اور جو مسلمان کہلاتے ہیں ان میں سے بھی اکثر بظاہر ہی مسلمان نظر آتے ہیں مگر ان کے دل یا تو ایسے ہی اسلام سے متنفر ہو چکے ہیں جیسے ان کے جو اسلام کا نام بھی ترک کر چکے ہیں یا کم سے کم وہ اسلام سے ایسے ناواقف ہیں کہ اس کی حقیقت سے مسیحیوں اور ہنود کی طرح بے خبر ہیں۔ ہزاروں ہیں جو کلمہ توحید تک سے ناواقف ہیں اور یہ باتیں مبالغہ سے بالکل خالی ہیں اور ان میں بناوٹ کا کچھ دخل نہیں اور وہ لوگ جن کو ان امور سے دلچسپی ہے جانتے ہیں کہ واقعہ میں مسلمانوں کی حالت ایسی ہی ہو رہی ہے پس زمانہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان ایام میں مسلمان ہی نہیں بلکہ اسلام کا بھی تنزل ہو رہا ہے کیونکہ اسلام دلوں سے مٹ چکا ہے۔ اگر صرف ظاہری حکومتیں جاتیں تو ہم کہتے کہ یہ ایام مسلمانوں کے لئے ایام الابتلاء ہیں لیکن واقعات ظاہر کر رہے ہیں کہ نہیں مسلمانوں کے لئے ہی نہیں خود اسلام کے لئے بھی یہ ایام ایام الابتلاء ہیں کہ اس کے نام کے سوا لوگ اس سے کچھ واقفیت نہیں رکھتے۔

شاید یہ کہا جائے کہ اس وقت بھی ہزاروں لاکھوں نمازی موجود ہیں مساجد میں پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں حج کے دنوں میں لاکھوں آدمی حج کے لئے جاتے ہیں روزوں کے ایام میں لاکھوں مسلمان روزہ رکھتے ہیں بہت سے مالدار ہیں جو زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں پس گو بہت سے لوگ اسلام سے بے خبر ہیں لیکن ایک حصہ ایسا بھی تو ہے جو اسلام سے واقف ہے اور اسلام کے کل احکامات پر عمل کر رہا ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ نبیوں کی بعثت کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ لوگ کسی خاص رنگ میں عبادت کر لیا کریں یا اپنے وطنوں کو ترک کر کے کسی ملک کی سیر کر لیا کریں یا سال میں کچھ دن بھوکے رہیں یا اپنے اموال کا ایک حصہ تقسیم کر دیں کیونکہ بلاوجہ انسان کو ان مشقتوں سے مکلّف کرنا لغو کام ہی نہیں بلکہ ضرر رسانی میں داخل ہے پس اگر کوئی شخص نماز پڑھتا ہے مگر نماز کے فوائد سے محروم ہے اور اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں تو اس کی نماز کسی خوشی کا باعث نہیں۔ اسلام کے سوا اور مذاہب کے پیرو بھی عبادت کرتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کی عبادات ان ثمرات کی مثمر نہیں

ہوتیں جن کی مثمر ایک مسلمان کی عبادت ہوتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس مغز سے خالی ہیں جو اسلامی عبادت میں ہے بلکہ وہ ایک قشر ہے جو بظاہر اسلامی عبادت سے ملتا ہے لیکن اندر سے ان فوائد سے خالی ہے جو اسلامی عبادت میں ہیں پس اگر مسلمانوں کی نماز بھی اس حقیقت سے محروم ہو جائے جس کی وجہ سے اسے دوسرے مذاہب کی عبادات پر فضیلت تھی تو اس میں اور دیگر مذاہب کی عبادات میں کچھ فرق نہیں بلکہ مشقت کے لحاظ سے وہ اس سے زیادہ ہیں کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ اہل ہنود میں عبادت کے ایسے ایسے طریق رائج ہیں جن کی مشقتوں کا مقابلہ اسلامی نماز قطعاً نہیں کر سکتی۔ مثلاً بعض ان میں ایسا کرتے ہیں کہ صبح سورج نکلنے سے پہلے مشرق کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں اور جونہی کہ سورج نکلتا ہے اسکی طرف دیکھنا شروع کر دیتے ہیں اور کچھ منتر پڑھتے جاتے ہیں اور شام تک اسی طرح کھڑے سورج کو دیکھتے رہتے ہیں اور ایک لحہ کے لئے بھی اپنی آنکھوں کو اس سے نہیں پھیرتے حتّٰی کہ وہ غروب ہو جاتا ہے یا مثلاً یوں کرتے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں سرد پانی میں کھڑے ہوئے تپیا کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں دھوپ میں بیٹھ کر اپنے ارد گرد آگ کے الاؤ جلا لیتے ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو عذاب دوزخ میں مبتلاء کر لیتے ہیں پس مشقت کے لحاظ سے ان کی عبادات اسلامی عبادات سے بڑھ کر ہیں پھر اگر مسلمانوں کی نماز بھی مغز سے خالی ہو جائے تو اس کو ان عبادات پر کوئی فضیلت نہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی نماز کی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (العنکبوت:۴۶) نماز انسان کو بے حیائیوں اور مکروہ افعال سے باز رکھتی ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ عام طور پر سوائے شاذ و نادر کے مسلمان مساجد میں جا کر نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور نہ صرف فرض نمازیں بلکہ نوافل بھی ادا کرتے ہیں اور پھر مسجد سے نکل کر کسی قسم کے گناہ سے ان کو پرہیز نہیں ہوتا جھوٹ وہ بولتے ہیں' رشوت وہ لیتے ہیں' فریب وہ کرتے ہیں' خیانت سے ان کو پرہیز نہیں تجارتی دھوکوں سے وہ مجتنب نہیں غرض کہ ہزاروں قسم کے گناہوں میں مبتلاء ہیں پھر کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان نمازیں ادا کرتے ہیں اگر وہ نماز کو انہی شرائط کے ساتھ ادا کرتے جو اسلام نے مقرر کی ہیں تو ان کے قلوب پاک ہو جاتے اور گناہوں کی میل دور ہو جاتی اور ہر قسم کے گناہوں اور بدیوں سے محفوظ ہو جاتے کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ نے ایسی حکمتیں مخفی رکھی ہیں کہ اسے سنوار کر پڑھنے والا اور ان شرائط کو ملحوظ رکھنے والا جو اللہ تعالیٰ نے ادائے نماز میں مقرر فرمائی ہیں اپنے اندر فوراً ایک خاص تبدیلی پاتا ہے اور زیادہ دن گزرنے نہیں پاتے کہ اس

کے اندر ایک خاص ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے اسے بدیوں کی شناخت ہو جاتی ہے اور پوشیدہ در پوشیدہ بدیوں پر اسے اطلاع دی جاتی ہے اور مخفی در مخفی گناہ کا علم جو دوسروں کو نہیں ہوتا اسے دیا جاتا ہے اور ملائکہ اسے ہر موقعہ پر ہوشیار کر دیتے ہیں کہ دیکھنا یہ گناہ ہے ہوشیار ہو جانا۔ اور اسے شیطان کے مقابلہ کی مقدرت عطا ہوتی ہے کیونکہ نمازی اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کرتا ہے اور خدا تعالیٰ کسی کا احسان نہیں رکھتا اور خود اپنے بندہ کو اس کے اعمال کا اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ دیتا ہے پس جب نماز میں کمال تذلّل اور خشوع و خضوع کے ساتھ انسان خدا تعالیٰ کے حضور میں گر جاتا ہے اور وہ تمام تذلّل کے طریق جن کو کسی ملک کے باشندوں نے اظہار عبودیت کے لئے مقرر کیا ہے استعمال کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اٹھاتا ہے اور جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے خدا تعالیٰ ملائکہ کو فرماتا ہے کہ دیکھو میرے اس بندہ نے میری پاکیزگی کا اقرار کیا ہے تم اسے پاک کر دو اور اس نے میری حمد کی ہے تم اس کی حمد کو دنیا میں پھیلاؤ اور اس نے میرے حضور میں کمال تذلّل اور انکسار کا اظہار کیا ہے تم اس کو عزت و رفعت دو اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جو صحیح بخاری کی آخری حدیث ہے کَلِمَتَانِ خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ یعنی دو ایسے کلمے ہیں کہ جو زبان پر تو بہت ہلکے معلوم ہوتے ہیں لیکن میزان میں بہت بھاری ہوتے ہیں اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں وہ کلمات یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اور غور سے دیکھا جائے تو نماز ان دونوں کلمات کی تفسیر ہے اور نماز کے مختلف اعمال کا خلاصہ یہی بنتا ہے کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ تسبیح، تحمید اور تعظیم الٰہی پر ہی نماز میں زور دیا گیا ہے۔ غرض کہ ان کلمات اور نماز کا ماحصل ایک ہی ہے ہاں نماز ایک مفصل اقرار ہے اور ان کلمات میں مجملاً وہ مضامین بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل نماز میں کی گئی ہے۔ اب اس حدیث پر غور کر کے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہ سب امور بیان کئے گئے ہیں۔ جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور وہ اس طرح کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ تسبیح و تحمید کرنا اور عظمت باری کا اقرار کرنا گو بظاہر سہل ہے لیکن ہے بہت سے ثمرات کا مثمر۔ اور میزان میں اس کا بڑا وزن ہوتا ہے۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ انسان دراصل چند حیوانی، نباتی اور جمادی اجزاء سے مرکب ہے اور بالطبع اس کا تعلق ارضی اشیاء سے زیادہ ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ کے

فضل سے اونچا کیا جاتا ہے اور اسی کی ہدایت سے ہدایت پاتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آسمانی تعلیموں سے انسان کو ایک طرف کر دیں اور ایک ایسا انسان فرض کریں جسے آسمانی کتابوں کا کچھ علم نہیں تو یہ انسان بہائم کی طرح کی زندگی بسر کرے گا اور اس کا کام صرف کھانا اور پینا ہو گا۔ ان تمام اخلاق سے وہ کورا ہو گا جو انسان کو دوسرے حیوانات سے ممتاز کرتے ہیں اور اس کی تمام وہ استعدادیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں ترقی کے لئے پیدا کی ہیں دبی رہیں گی اور وہ ان سے کام نہ لے سکے گا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ قومیں جو سماوی کتابوں سے محروم ہیں ان کی زندگیاں چارپایوں کی زندگیوں سے زیادہ مشابہ ہیں اور وہ کھانے پینے اور شہوت رانی کرنے کے سوا کچھ نہیں جانتیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ انسان کی پیدائش مادہ سے ہے اس کا رجحان بغیر ہدایت الٰہی کے مادہ کی طرف ہی ہوتا ہے اور جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ ہو وہ روح کی ترقی کی راہ نہیں سوچ سکتا۔ ہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پا کر اس کا درجہ اور جانوروں سے بلند ہونا شروع ہوتا ہے اور جس قدر کوئی انسان روحانیت میں کمال پیدا کرتا جاتا ہے اسی قدر اسے دوسرے حیوانات سے امتیاز پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس کے اعمال میں خاص فرق نمایاں ہونا شروع ہو جاتا ہے پس اس حدیث کا مطلب اس حقیقت امر کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ہے کہ نفس انسانی جو بہیمی صفات کا مجموعہ ہے اسے اپنی تمام بہیمیت سمیت ایک پلہ میں ڈال دیں اور ان کلمات کے نتائج اور ثمرات کو ایک طرف ڈال دیں تو یہ کلمات جس پلہ میں ہوں گے وہ نیچے ہو جائے گا اور یہ بات ثابت ہے کہ ترازو کا ایک پلہ جب نیچے ہو جائے تو دوسرا اوپر ہو جاتا ہے پس جس قدر اعمال کا پلہ نیچے ہو گا اسی قدر وہ پلہ جس میں نفس انسانی ہے اوپر ہوتا جائے گا اور جس قدر نفس والا پلہ اوپر ہوتا جائے گا اسی قدر انسان کو قرب الٰہی ہوتا چلا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا (بوجہ تمام عیبوں سے پاک ہونے اور کل خوبیوں کے جامع ہونے کے) مقام بلند ہے پس اعمال کے پلہ کے نیچے ہونے اور بوجھل ہونے سے انسان کا رفع مراد ہے کیونکہ یہ اس کا لازمی نتیجہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ نیکی اور تقویٰ کا نتیجہ احادیث میں رفع بتایا گیا ہے اور مسلمانوں کو جو وَارْفَعْنِیْ کی دعا سکھائی گئی اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہمارے اعمال حسنہ کا پلہ بھاری ہو جائے تا ہمارا رفع ہو اور اگر انسان کی بہیمیت کا پلہ بھاری ہو گا تو اعمال حسنہ کا پلہ ہلکا ہو کر ہوا میں اٹھ جائے گا اور انسان کو کوئی فائدہ نہ دے گا بلکہ وہ نیچے ہی چلا جائے گا اسی کی طرف اشارہ ہے قرآن کریم کی اس آیت میں کہ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝ (القارعہ: ۷تا۱۰) یعنی جس کے اعمال

حسنہ کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو اعلیٰ درجہ کی زندگی پائے گا اور جس کے اعمال حسنہ کا پلہ ہلکا ہوُا اور اس کی صفات بہیمیہ پر غالب نہ آسکا تو وہ ہاویہ میں گرے گا اور ہاویہ سے مراد عمیق گڑھا ہے جو اپنے عمق میں نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں اشارہ ہے کہ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ (الاعراف: ۱۷۷) یعنی ہم چاہتے تو اس کو اپنی آیات کے ذریعہ بلند کر دیتے لیکن اس نے زمین کے ساتھ ایسا تعلق پکڑا کہ اسے چھوڑا نہیں پھر احادیث میں جنت کو بلندی پر اور دوزخ کو نیچے بتا کر بھی اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب اعمال حسنہ بھاری ہوں تو انسان کی غلطیوں کا وزن کچھ نہیں رہتا اور انسان باوجود اپنی بہیمیت کے بلند ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس کی نیکیاں اس کی بدیوں پر غالب آجاتی ہیں اور ان کو کالعدم کر دیتی ہیں اور انسان بالآخر جنت کو جو بلندی پر ہے حاصل کر لیتا ہے اور جس کے اعمال حسنہ کم ہوں اور انسان کو اوپر نہ اٹھا سکیں تو ان کا پلہ بوجہ ہلکا ہونے کے بلند ہو جائے گا اور نفس انسانی والا پلہ علی قدر ذنوب نیچے نیچے ہوتا جائے گا اور جہنم میں (جو نیچے ہوگی) جگہ پائے گا۔ اس مسئلہ سے جنت و دوزخ کے مراتب کا بھی پتہ چلتا ہے کیونکہ جس قدر کسی کے اعمال حسنہ بوجھل ہوں گے اسی قدر وہ اوپر اوپر اٹھتا چلا جائے گا اور اعلیٰ مدارج پائے گا اور جن لوگوں کی بدیاں زیادہ ہوں گی وہ نیچے زیادہ گر جائیں گے اور جہنم میں جائیں گے حتّٰی کہ جن کی بدیوں کا پلہ بہت ہی بھاری ہو گا انکے اعمال حسنہ کا پلہ بہت اونچا چڑھ جائے گا اور اس کے مقابلہ میں نفس کا پلہ اسفل السافلین میں گر جائیگا۔

غرض کہ مذکورہ بالا حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالے کی تسبیح، تحمید اور عظمت کا اقرار ایسا مثمر ثمرات نافع ہے کہ انسان کا ترازوئے عمل اس کے بوجھ سے بہت جھک جاتا ہے اور اس کا درجہ بلند ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ یہ کلمات اس لئے زیادہ ثواب کا موجب ہوتے ہیں کہ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ رحمٰن کو پسند ہیں نادان انسان تو یہ خیال کرتا ہو گا کہ لفظ رحمٰن صرف قافیہ بندی کے لئے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ عظیم الشان انسان پر جس کا کوئی کلام لغو اور فضول نہیں ایک ظلم عظیم ہو گا رحمٰن کا لفظ اس حدیث میں قافیہ بندی کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس میں بڑی بڑی حکمتیں ہیں حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ فرما کر آنحضرت ﷺ نے اس ثقل کی وجہ بیان فرما دی ہے جو کلمات سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کو میزان میں حاصل ہے اور بتایا ہے کہ یہ کلمات اس لئے ثقیل ہیں کہ ان کا بدلہ صرف صفت رحیمیت کے ماتحت ہی نہیں ملتا بلکہ صفت رحمانیت کے ماتحت بھی ملتا ہے کیونکہ

یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کے بھی جاذب ہیں۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت وہ ہے جس کے ماتحت بلا کسی محنت اور مشقت کے انسان پر انعام ہوتا ہے اور صفت رحیمیت وہ ہے جس کا نزول انسان پر کسی عمل کے بدلہ میں ہوتا ہے اور چونکہ انسان کے اعمال محدود ہوتے ہیں اس لئے اس کی جزاء بھی خواہ کس قدر ہی زیادہ ہو آخر محدود ہوگی جیسا کہ قرآن شریف اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال کے بدلہ میں دس گنے اور ستر گنے بلکہ سات سو گنے تک ثواب ملتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ لیکن پھر بھی یہ بدلہ ایک حد تک نسبت عمل کے لحاظ سے ہی ہوتا ہے مگر جو احسان کہ رحمانیت کے ماتحت ہوتا ہے وہ چونکہ کسی عمل کے بدلہ میں نہیں ہوتا اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ پس حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ سے آنحضرت ﷺ نے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ دوسری عبادات کا بدلہ تو صفت رحیمیت دیتی ہے مگر یہ کلمات صفت رحمانیت کے جاذب ہو جاتے ہیں یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا اور اس کی عظمت کا اقرار کرتا ہے تو نہ صرف رحیمیت جوش میں آتی ہے بلکہ صفت رحمانیت بھی جوش میں آکر اس پر نازل ہوتی ہے اور چونکہ یہ نزول رحمانیت نسبت عمل کے لحاظ سے نہیں بلکہ احسان کے طور پر ہوتا ہے اس لئے اعمال حسنہ کا ترازو بہت وزنی ہو جاتا ہے کیونکہ صفت رحمانیت کا نزول جب صفت رحیمیت کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کی عظمت کی کوئی انتہاء نہیں رہتی۔

اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا (النساء: ۸۷) جب تمہاری نسبت کوئی کلمہ نیک استعمال کیا جائے تو تم کو بھی چاہیئے کہ اس کے قائل کی نسبت اس سے بہتر کلمہ نیک یا کم سے کم وہی کلمہ استعمال کرو جیسا کہ السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جو غیر محدود خزانوں والا ہے اور بہتر سے بہتر بدلہ دینے والا ہے اپنے بندوں سے اس طرح معاملہ نہ کرے وہ کرتا ہے اور ضرور کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب میرا بندہ میری طرف ایک قدم آتا ہے تو میں دو قدم آتا ہوں جب وہ تیز چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں پس اسی اصل کے ماتحت جب ایک بندہ اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتا ہے کہ الٰہی آپ پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک تو اسے اس کی اس عبادت کا بدلہ دیتا ہے دوسرے اس کی نسبت بھی پاکیزگی کا حکم فرماتا ہے کہ حَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کی نسبت فرمائے گا تو پاک ہو تو پھر اس کے گناہ کہاں باقی رہ سکتے ہیں اسی

طرح جب بندہ اپنے رب کی نسبت کہتا ہے کہ الٰہی آپ بڑی تعریفوں والے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو تعریفوں والا کر دیتا ہے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اقرار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اسے بڑا بنا دیتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید اور عظمت کے اقرار سے ایک تو عبادت کا ثواب ملتا ہے اور ایک اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جوش میں آکر اس بندے کو پاک کر دیتی ہے' قابل تعریف بنا دیتی ہے' بڑا بنا دیتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ **كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِى الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ** اور چونکہ نماز تفصیل ہے ان کلمات کی اور اس کے ہر ایک رکن میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور تحمید کی جاتی ہے اور عظمت بیان کی جاتی ہے اس لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ** (العنکبوت:۴۶) کیونکہ جوں جوں انسان نمازیں پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد اور عظمت کا اقرار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کے اعمال حسنہ کے ترازو کو بوجھل کرتا جاتا ہے اور انسان کا رفع ہوتا جاتا ہے اور چونکہ گناہ نتیجہ ہے مادیت کے تعلق کا۔ جب انسان اس عالم سے بلند ہوتا جاتا ہے تو اس کا تعلق مادیت سے کم ہوتا جاتا ہے اور لازماً وہ گناہوں سے محفوظ ہوتا جاتا ہے۔

پس جو انسان نمازیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بھی کرتا ہے تحمید بھی کرتا ہے اور اس کا درجہ بلند نہیں ہوتا اور اسے پاک نہیں کیا جاتا بلکہ وہ طرح طرح کے گندوں میں مبتلاء ہے تو صاف ظاہر ہے کہ اس کی تسبیح و تحمید میں کوئی نقص ہے پس مسلمانوں کا نمازیں پڑھنا اور ان پر مداومت کرنا اس بات پر قطعاً دلیل نہیں کہ وہ نیک ہیں اور ان میں ابھی دین باقی ہے کیونکہ جب نمازوں سے وہ اثمار نہیں پیدا ہوتے جو نمازوں کے لئے مخصوص ہیں تو وہ نمازیں بے مغز ہیں اور ان کے اندر ہزاروں قسم کے ایسے اجرام داخل ہو گئے ہیں جنہوں نے ان کی قوت مثمرہ کو ضائع کر دیا ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کی نسبت قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا** ۔ (التوبہ:۱۰۳) اے نبی ان کے اموال سے زکوٰۃ لیا کرو اور اس ذریعہ سے ان کو ظاہری و باطنی طور پر پاک کیا کرو اب جو لوگ زکوٰۃ دیتے ہوئے پاک نہیں ہوتے اور ان کے اموال طیب نہیں ہیں بلکہ ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل سے وہ ان کو بڑھاتے رہتے ہیں اور دل سے دنیا کی محبت سرد نہیں ہوتی تو ہم کب کہہ سکتے ہیں کہ وہ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں۔

اسی طرح روزہ کے احکام بیان فرما کر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ **كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ**

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (البقرہ: ۱۸۸) اسی طرح ہم اپنے احکام لوگوں کے فائدے کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ متقی ہو جائیں۔ لیکن فِیْ زَمَانِنَا لوگ روزہ رکھتے ہوئے تقویٰ سے عاری ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تمہیں بھوکے رکھنے سے غرض نہیں جو شخص روزہ رکھتا اور جھوٹ بولنا ترک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا رہنے کی کچھ حاجت نہیں عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ (بخاری کتاب الصوم: باب من لم یدع قول الزور والعمل بہ) پس روزہ رکھتے ہوئے جن لوگوں میں تقویٰ پیدا نہیں ہوتا معلوم ہوتا ہے ان کے روزے قرآن شریف کے فرمائے ہوئے روزے نہیں کیونکہ روزوں کے فرض کرنے کی غرض ہی تقویٰ کا پیدا کرنا تھا نہ کہ انسان کو بھوکا رکھنا۔ خدا تعالےٰ کو کیا غرض ہے کہ وہ انسان کو خواہ مخواہ بھوکا رہنے کا حکم دے۔

حج کی نسبت بھی فرمایا کہ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ (البقرۃ: ۱۹۸) لیکن آجکل تو جو حج کی بے قدری ہے وہ جناب کو معلوم ہی ہوگی حج میں جنگ و جدل کا چھوڑنا تو الگ رہا۔ ان دنوں کو جنگ و جدل کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے۔

غرض کہ گو بعض لوگ بعض احکام شریعت پر عمل کرتے ہیں لیکن ان کا عمل ایسے طریق سے ہے کہ اس سے وہ فوائد مرتب نہیں ہوتے جو ہونے چاہئیں اور ان کی نمازیں اور ان کے روزے اور ان کی زکوتیں اور ان کے حج بعینہٖ ویسے ہی اعمال ہیں جیسا کہ تماشہ کرنے والے کبھی بادشاہ بنکر بیٹھ جاتے ہیں اور دربار لگا لیتے ہیں لیکن در حقیقت وہ سائل ہوتے ہیں پس گو ایک وقت کے لئے اپنے آپکو بادشاہ بھی کہتے ہیں ان کے سامنے کچھ لوگ ملازم بنکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ ان پر حکومت کرتے ہیں لیکن حقیقت اس کی کچھ بھی نہیں ہوتی نہ وہ بادشاہ ہو جاتے ہیں نہ ان کے دوسرے ساتھی ان کے خادم و غلام بن جاتے اور اس بناوٹ سے ان کو وہ حقوق و اختیارات حاصل نہیں ہو جاتے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں یہ لوگ بھی بظاہر نمازیوں کی طرح وضوء کرتے ہیں مساجد میں جاتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں لیکن یہ سب کام نمائشی ہوتے ہیں ان کی یہ عبادتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں رکھتیں۔ ورنہ نعوذ باللہ کہنا ہوگا کہ وہ محنت تو پوری کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ان انعامات سے محروم رکھتا ہے جو نمازیوں اور روزہ داروں اور زکوۃ دینے والوں اور حج کرنے والوں کے لئے اس نے مقرر فرمائے ہیں۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ

تِلْکَ الْعَقِیْدَۃِ۔

مساجد کی آبادی اس وقت تک کوئی چیز نہیں جب تک دل محبت الٰہی سے معمور نہ ہوں۔ زبان پر خدا تعالیٰ کا ذکر کوئی قدر نہیں رکھتا جب تک دل میں اس کی یاد نہ ہو۔ اور افسوس کہ قلبی تعلق اب مفقود ہو گیا ہے ان عبادات پر انسان خوش ہو سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ظاہر کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے حضور میں وہ عبادات کچھ حیثیت نہیں رکھتیں جن میں خلوص نہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود عبادت کے قلب صاف نہیں ہوتے اور وہ تقویٰ اور حفاظت عن الذنوب حاصل نہیں ہوتی جس کا عابدین کے لئے وعدہ دیا گیا ہے۔

افسوس کہ کوئی وقت تو وہ تھا کہ مسلمان ہونا ہر قسم کے گناہوں سے محفوظ ہونے کی کافی ضمانت تھا اور جو شخص اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا تھا اس پر یقین ہو جاتا تھا کہ یہ ہر قسم کے غدر اور شرارت سے محفوظ ہے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَالنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْمِ۔ لیکن اب مسلمان ہونے کے یہ معنے ہیں کہ یہ شخص ست ہے اور سخت مسرف ہے کسی قسم کے گناہ سے نہیں بچتا حتّٰی کہ بعض ناپاک لوگوں کی حالت ایسی خراب ہو گئی ہے کہ وہ کھلے بندوں کہتے ہیں کہ ہم مسلمان آدمی ہیں ہمیشہ مقروض ہی رہتے ہیں جو کچھ آجاتا ہے اڑا جاتے ہیں گویا اسلام کی تعلیم یہی ہے کہ انسان مُسرف ہو اور ہمیشہ مقروض رہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ میں نے بہت سے ذی حیثیت لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ مسلمان ملازم سے ہندو ملازم کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ وہ زیادہ دیانتدار اور محنتی ہوتا ہے اور اپنے کام کو خوب اچھی طرح سے پورا کرتا ہے اور یہ بات مسلمانوں کے لئے نہایت شرمندہ کن ہے۔

اسلام کے بہت سے دشمن ہیں اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہر ایک مذہب اسلام کا دشمن ہے کیونکہ اسلام اپنے اندر صداقت رکھتا ہے اور دوسرے مذاہب اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اگر کوئی مذہب اپنی ذاتی خوبصورتی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکتا ہے تو وہ اسلام ہی ہے۔ اسی لئے وہ آپس میں ایک دوسرے سے نہیں ڈرتے مگر اسلام سے سب خائف ہیں اسی لئے اسلام کے مقابلہ میں سب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اسی کی طرف مخبر صادق نے اشارہ فرمایا ہے اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ یعنی اسلام کے مقابلہ میں سب مذاہب ایک ہو جاتے ہیں ورنہ آپس میں تو ان کے بہت سے نقار ہیں اور ان کو چاہئے بھی ایسا ہی۔ ہم چرند جانوروں میں دیکھتے ہیں کہ وہ آپس میں کتنا ہی لڑیں جب کوئی درندہ آجائے تو اس کے مقابلہ میں سب ایک ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ

جانتے ہیں کہ اس سے ہماری سلامتی مشکل ہے پس چونکہ اسلام اپنی سادگی اور حسن کے باعث ایسا دلکش ہے کہ اگر کوئی شخص تعصب سے خالی ہو کر اس کا مطالعہ کرے تو اس کے دام میں آئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لئے سب مذاہب اس کے مقابلہ میں ایک ہو جاتے ہیں مگر ان بیرونی دشمنوں سے اسلام کو کبھی اس قدر نقصان نہیں پہنچا جس قدر کہ اسے اس زمانہ میں اندرونی دشمنوں سے پہنچا ہے۔ کسی شاعر نے کیا سچ کہا ہے کہ ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

دشمنان بیرونی نے تیرہ سو سال تک متواتر اسلام کو نقصان پہنچانا چاہا لیکن اب تک وہ کامیاب نہ ہو سکے مگر ایک صدی دو صدی کے اندر گھر کے آدمیوں نے اس کی جڑھوں کو بالکل کھوکھلا کر دیا کچھ تو علماء نے ہمت کی کہ اسلام کے زریں اصول کو ایسا بھونڈا اور بھیانک دکھانا شروع کیا کہ آئے ہوئے لوگ بھی رک گئے قرآن شریف کی پاک تعلیم میں اسرائیلی قصے داخل کر کے اور انسانی خیالات ملا کر ایسی تفاسیر کرنی شروع کر دیں کہ قرآن کریم کا اصل حسن بھی ان کے نیچے دب گیا۔ جس طرح ایک عمدہ ہیرا اس وقت تک کہ اسے ردی مادہ کاٹ کر صاف نہ کیا جائے اپنی جلا نہیں دیتا۔ اسی طرح قرآن کریم کو ایسی ایسی خود ساختہ تفاسیر کے پردوں میں لپیٹ دیا ہے کہ ناواقف آدمی اس کے حسن سے ہی انکار کر بیٹھتا ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ جو تصویر اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے وہ قرآن کریم کی نہیں بلکہ دوسری اقوام کے قصوں اور حکایتوں کا رنگ چڑھا کر اسے اور کا اور ہی بنا دیا گیا ہے اس طرح جو نقصان علمائے خلف نے اسلام کو پہنچایا ہے اس سے بھی زیادہ وہ نقصان ہے جو علماء، صوفیاء، امراء اور عوام الناس کی متفقہ کوشش سے اسلام کو پہنچا ہے یعنی ان کی بد عملی کی وجہ سے مسلمان اسلام کی دشمنی میں دشمنوں سے بھی زیادہ ثابت ہوئے ہیں۔

اسلام اپنی خوبیوں سے ہر ایسے شخص کو جو تعصب سے خالی ہو کر اس پر غور کرے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور باوجود ان رکیک تاویلات کے اور ان اجنبی قصوں کے جو اس کی تفاسیر میں بھر دیئے گئے ہیں بہت سے لوگوں کو اس کی حقیقت پر آگاہی ہو جاتی ہے۔ اور وہ اسلام میں داخل ہونا پسند کرتے ہیں لیکن مسلمان ان کے لئے روک ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے اعمال ایسے نہیں ہیں کہ جن کو دیکھ کر لوگ اسلام میں داخل ہونے کی خواہش کریں اور اس طرح مسلمانوں سے جو نقصان اسلام کو پہنچ رہا ہے وہ غیروں سے نہیں پہنچتا۔

صرف زبانی تعلیم سے انسان پر ایسا اثر نہیں ہوتا جتنا کہ نمونہ دیکھ کر وہ متأثر ہو جاتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگوں تک اسلام کی خبر پہنچتی تھی اور وہ اسلام سے محبت کرنے لگ جاتے تھے مگر دنیاوی تعلقات کی وجہ سے اکثر لوگ اس میں شمولیت سے خائف ہوتے۔ لیکن جب وہ کسی مسلمان کو دیکھ لیتے تو دنیا کی کسی روک کو خاطر میں نہ لا کر ہزاروں مسلمان ہو جاتے۔ ہندوستان کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اسلام زیادہ تر حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء کے ذریعہ سے ہی پھیلا ہے مگر آجکل بالکل اس کے برخلاف ہے۔ بہت لوگ ہیں جو اسلام کا مطالعہ کر کے اسے قبول کرنا چاہتے ہیں لیکن فطرتاً انسان نمونہ دیکھنے کا خواہشمند ہوتا ہے اس لئے وہ اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں کی حالت دیکھنا چاہتے ہیں لیکن جب کسی اسلامی ملک میں جا کر مسلمانوں کی غفلت و سستی اور ارتکاب معاصی کو دیکھتے ہیں تو انکی طبیعت اسلام سے متنفّر ہو جاتی ہے۔ گویا ابتدائے عہد اسلام میں تو مسلمان اسلام کی عظمت ظاہر کرتے تھے اور اب یہ حال ہے کہ مسلمانوں کا وجود اسلام کی ترقی میں ایک سخت روک ہے جس کے سبب سے ہزاروں سعید روحیں اس سچائی کو قبول کرنے سے رک جاتی ہیں۔

چنانچہ معتبر ذریعہ سے سنا گیا ہے کہ ایک انگریز اسلام کی تعلیم کا مطالعہ کر کے اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس نے اسلام کی صداقت کا اقرار کر لیا لیکن اس کے دل میں خیال آیا کہ چل کر کسی اسلامی ملک کی سیر کر کے مسلمانوں کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ان کا کیا حال ہے اور اسلام کا عملی نمونہ وہ کیا دکھاتے ہیں اس ارادہ سے جب وہ ایک اسلامی ریاست کے دارالخلافہ میں پہنچا تو بدقسمتی سے محرم کے ایام تھے اور وہاں کے باشندے طرح طرح کی نقلیں کر رہے تھے بازاروں میں مسلمان چیتے اور شیر بندر اور ریچھ بنے ہوئے پھر رہے تھے جسے دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی کہ عملی اسلام کتابی اسلام سے بدرجہ غایت متغائر ہے اور ایسا ابتلاء آیا کہ آخر اسلام سے بیزار ہو گیا پس اسلام کے راستہ میں سدراہ اگر کوئی ہے تو وہ خود مسلمانوں کی عملی حالت ہے اور اس حالت کو دیکھ کر غیر مذاہب کے لوگوں کو ہی ابتلاء نہیں آتا بلکہ آئندہ نسلیں بھی دین سے بیزار ہوتی چلی جاتی ہیں اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اکثر مسلمانوں کے گھرانوں کا یہ حال ہے کہ باپ کو دین سے جس قدر تعلق ہے بیٹے کو اس سے بہت کم تعلق ہے اور فیصدی بہت ہی کم مسلمان نکلیں گے جو اسلام کی صداقت کے دل سے قائل ہوں بلکہ اب صرف رسم اور عادت کا ایمان رہ گیا ہے۔

اب اگر اسلام سچا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام سچا ہے تو جناب خیال فرما سکتے ہیں کہ اسقدر اندرونی اور بیرونی فسادوں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا اسکو چھوڑ دینا اور اس کی خبر نہ لینا کسی عقلمند انسان کے خیال میں نہیں آسکتا۔ اسلام کی اس درجہ نازک حالت کے ہوتے ہوئے اور اس بات کو مانتے ہوئے کہ اسلام خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکر خیال کیا جا سکتا ہے کہ ان آفات اندرونی و بیرونی کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی سامان نہ کیا ہو گا۔

اسلام وہ دین ہے جس کی اشاعت کے لئے آنحضرت ﷺ جیسے محبوب رحمانی نے اپنی ساری عمر خرچ کر دی اور ہر قسم کا آرام اور راحت چھوڑ کر رات اور دن اس کی اشاعت میں لگے رہے پھر ایسے برگزیدہ انسان کی کوششوں کا وہ حشر کیونکر ہو سکتا ہے جو اس وقت اسلام کا نظر آتا ہے۔

والدین اپنی اولاد کو مصیبت میں دیکھ کر فوراً ان کی مدد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور باوجود ہزاروں قسم کی نافرمانیوں کے مصیبت میں دیکھ کر ان کا رحم جوش میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسلام کی اس مصیبت کو دیکھ کر کیونکر خاموش رہ سکتا ہے ضرور ہے کہ اسلام کی حالت درست کرنے کے لئے آسمان سے کوئی سامان ہو۔

قرآن شریف بھی ہمارے اس خیال کی تصدیق فرماتا ہے جیسا کہ آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:۱۰) سے ظاہر ہے۔ قرآن کریم کی حفاظت دو طریق سے ہو سکتی ہے ایک لفظی اور ایک معنوی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ لفظی حفاظت کے لئے اللہ تعالے نے ہزاروں سامان پیدا کر دیئے ہیں آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے آج تک تیرہ سو سال ہو گئے ہیں دنیا کی سب مذہبی کتابیں محرف و مبدل ہو چکی ہیں لیکن قرآن کریم ابھی اپنی اسی اصلی حالت پر قائم ہے اور اس میں سے ایک شُعشہ بھی کم نہیں ہُوا نہ کسی قسم کی اس میں زیادتی ہوئی ہے۔ قرآن کریم کی زبان کو بھی اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے ورنہ اس وقت کوئی پرانا مذہب نہیں جس کی الٰہی کتاب کی زبان اس وقت دنیا میں بولی جاتی ہو۔ سنسکرت، پہلوی، عبرانی تین زبانوں میں اس وقت دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کی کتابیں موجود ہیں لیکن یہ تینوں زبانیں مر چکی ہیں صرف قرآن کریم کی زبان ہی باوجود نہایت قدیم زبان ہونے کے اب تک بولی جاتی ہے اور جب سے قرآن کریم نازل ہُوا ہے بجائے کم ہونے کے اور زیادہ پھیل گئی ہے اور پہلے صرف عرب میں بولی جاتی تھی مگر اب مصر، شام، طرابلس، الجزائر، مراکش، بربرہ وغیرہ علاقوں میں بھی عربی ہی بولی جاتی ہے۔ کروڑوں آدمی اس

زبان کے سمجھنے والے ہیں ہزاروں لاکھوں حفاظ اور لاکھوں نسخوں سے جو دنیا کے ہر ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اس کی حفاظت کی گئی اور اب تک خدائے تعالیٰ کا وعدہ بڑے زور سے پورا ہو رہا ہے پس جبکہ لفظی حفاظت کا وعدہ پورا ہوا ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ معنوی حفاظت کا وعدہ پورا نہ ہو۔ جو کتاب صرف تحریری ہو اور اس پر عمل کرنے والے مفقود ہو جائیں اسے محرف و مبدل کتب پر کوئی فضیلت نہیں کیونکہ جس طرح محرف و مبدل کتب متروک العمل ہو گئی ہیں اسی طرح وہ کتاب بھی متروک العمل ہے جس کی حقیقت سے لوگ آگاہ ہی نہیں۔ پس ضرور ہے کہ قرآن کریم جس غرض کے لئے آیا ہے اسے پورا کرنے والی ایک جماعت ہمیشہ موجود ہو اور جب کبھی لوگ اس سے غافل ہوں فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا شخص بھیجا جائے جو معلم بنکر لوگوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کرے اور سچے راستہ پر لائے احادیث نبویہ بھی میرے اس خیال کی تائید کرتی ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا (سنن ابو داؤد کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائۃ) اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایک ایسا انسان مبعوث فرمائے گا جو دین اسلام کی تجدید کرے گا یعنی لوگوں نے اپنے خیالات اور اپنے ارادوں کے دخل سے دین اسلام میں جو تغیر پیدا کر دیئے ہونگے وہ مجدد دین ان کو مٹائیں گے اور اصل اسلام کو پھر قائم کریں گے اور ان کے ذریعہ ایسی جماعتیں پیدا ہوتی رہیں گی جو قرآن شریف کے معانی کی حفاظت کریں گی یعنی جس غرض کے لئے قرآن کریم بھیجا گیا ہے اسکو پورا کریں گی اور اسلام ایک زندہ مذہب رہے گا۔

یہی وہ فوقیت ہے جو اسلام کو دوسرے مذاہب پر حاصل ہے کیونکہ اگر قصوں اور روایتوں کے ساتھ کسی مذہب کی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے تو اسلام سے زیادہ ہندوؤں کے ہاں روایتیں اور قصے ہیں۔ اگر ہم معجزات سنائیں گے تو ہنود ان سے بڑھ کر معجزات بیان کریں گے اور مسیحی بھی اپنے مذہب کی تائید میں معجزات کا ایک طومار پیش کر دیں گے اور وہ ایسا ہی کرتے بھی ہیں بلکہ اسلام پر تو غیر مذاہب اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں معجزات کا ظہور ہوا ہی نہیں حتّٰی کہ یورپ کے اعتراضات کے وزن سے دب کر بعض مسلم ریفارمر بھی اس باطل عقیدہ میں پادریوں کے ہمنوا ہو گئے ہیں۔ پس روایتوں اور قصوں کے ساتھ غیر مذاہب پر جیتنا ناممکن ہے کیونکہ روایتیں ان کے ہاں بھی بہت سی ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی روایات غیروں سے منوائیں اور ان کی روایات کو رد کر دیں اور اگر ہم اپنی روایات کی صداقت کا ثبوت بھی دینے لگیں تو یہ ایک ایسا لمبا کام ہو گا کہ برسوں اسی

پر بحث ہوگی اور ایک لمبا تاریخی جھگڑا شروع ہو جائے گا اور مذاہب کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا مگر اسلام یہ نہیں کہتا کہ قصوں اور روایتوں کے ساتھ میری صداقت کو پرکھو بلکہ اسلام وہ مذہب ہے جو اپنے ساتھ زندہ معجزات رکھتا ہے اور کوئی زمانہ نہیں گزرتا کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی صداقت کے لئے کوئی زبردست شہادت ظاہر نہیں کرتا اور یہی وہ نشان ہے جس کے دکھانے سے غیر مذاہب کے لوگ قاصر ہیں اور جب اس طرف ان کو بلایا جاتا ہے تو ان کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں اور ان کی زبانیں بند ہو جاتی ہیں گویا کہ وہ کلام سے بالکل عاری ہیں اور ان کی زبانیں گونگی ہیں اور ہر زمانہ میں صداقت کے ثبوتوں کا ساتھ ہونا ہی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب ہر ایک شخص کسی مذہب کی صداقت کے نشان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے تو اسے اس مذہب کی سچائی کے اقرار سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا۔

دنیا کے کل مذاہب اس وقت اپنی اپنی صداقت کا دعویٰ پیش کر رہے ہیں اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ پدرم سلطان بود۔ ہمارا مذہب سچا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہمارے آباء و اجداد کے ساتھ خدا نے کلام کیا تھا لیکن اسلام یہ دعویٰ نہیں کرتا بلکہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ جو لوگ مجھ پر پورے طور سے عامل ہوتے ہیں ان کو میں اپنی صداقت کے زندہ ثبوت دیتا ہوں اور اسلام کے پیرو کو کتابوں میں قصے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ خود اپنے مشاہدہ سے اسلام کی صداقت کو معلوم کر سکتا ہے کیونکہ اسلام نے الہام کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ اسے ہمیشہ کے لئے جاری رکھا ہے اور یہی نہیں کہ اسے جاری رکھا ہے بلکہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کا آنا لازمی قرار دیا ہے اور خدا تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ سے وعدہ ہے کہ ہمیشہ ایسا ہوتا رہے گا۔

یہ نشان ایک ایسا نشان ہے کہ کسی مذہب کی طاقت نہیں کہ اس کا مقابلہ کر سکے کیونکہ کوئی مذہب اسلام کے سوا الہام کے دروازہ کو کھلا نہیں رکھتا بلکہ ہر ایک مذہب اس دروازہ کو اب بند قرار دیتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ پہلے ایسا ہوتا تھا اب نہیں ہوتا حالانکہ اگر پہلے الہام ہوتا تھا تو اب بھی ہونا چاہئے کیونکہ خدائے تعالیٰ کی صفات کسی وقت میں بھی معطل نہیں ہو سکتیں اور اگر خدائے تعالیٰ اپنے پاک بندوں سے پہلے کلام کرتا تھا تو اب بھی ضرور ہے کہ وہ کلام کرے اور اگر اب نہیں کرتا تو پہلے بھی نہیں کرتا تھا ورنہ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صفت شنوائی بھی کبھی زائل ہو جائے اور صفت بینائی بھی جاتی رہے کیونکہ اگر ایک صفت معطل ہو سکتی ہے تو دوسری صفات بھی معطل ہو سکتی ہیں۔

غرض کہ الہام الٰہی کے دروازہ کا کھلا رہنا ایک ایسا معیار ہے کہ جس کے سامنے کوئی غیر مذہب کا پیرو نہیں ٹھہر سکتا بلکہ اسلام اس میدان میں اکیلا ہی شہسوار ہے۔ کسی مذہب کو جھوٹا دعویٰ کرنے کی بھی طاقت نہیں کیونکہ ہر ایک جانتا ہے کہ مقابلہ میں پول کھل جائے گا۔

آج تک ہزاروں آدمی اسلام میں اس شرف سے مشرف ہو چکے ہیں اور کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں الہام الٰہی کے مدعی مسلمانوں میں موجود نہ ہوں بلکہ ہر ایک گاؤں جس میں مسلمانوں کی آبادی ہے اس کے قبرستان میں کوئی نہ کوئی قبر کسی ایسے بزرگ یا ولی کی نظر آئے گی جو الہام الٰہی کا مدعی تھا اور جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور شہادت امورِ غیبیہ سے اطلاع دی جاتی تھی جس طرح اسلام کی ظاہری شریعت کے چار امام ہیں اسی طرح روحانی علوم کے بھی چار امام تو مشہور ہیں۔ یعنی سید عبدالقادر جیلانی، حضرت شہاب الدین صاحب سہروردی، حضرت بہاؤ الدین صاحب نقشبندی، حضرت معین الدین صاحب چشتی رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ہر ایک سلسلہ میں سینکڑوں خلفاء گزرے ہیں اور ان چار بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے ایسے بزرگ گزرے ہیں جنہیں قرب الٰہی حاصل تھا اور کلام الٰہی سے مشرف تھے اور اگر ان لوگوں کو شمار کیا جائے تو ہزاروں سے گزر کر لاکھوں تک ان کی تعداد پہنچ جائے اور یہ لوگ ایسے تھے کہ ان کی زندگیاں ان کے زمانہ کے لوگوں کے لئے اسلام کی صداقت کا ایک زندہ ثبوت تھیں پس نہ صرف آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ہر زمانہ میں ایسے لوگوں کا ہونا ثابت ہے بلکہ واقعات بھی اس امر کے شاہد ہیں کہ اسلام کبھی ایسے پاک نفسوں سے خالی نہیں رہا جنہوں نے روحانی ترقیات کے اعلیٰ مدارج پر ترقی حاصل کر کے اسلام کے زندہ مذہب ہونے کا ثبوت دیا ہے۔

اس بات سے تو کسی انسان کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جو درخت پھل نہیں دیتا اس میں اور دوسرے بے ثمر درختوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ جب پھل آنا بند ہو گیا تو اس کی لکڑی صرف جلانے کے کام آسکتی ہے پس جو مذہب ایسا ہے کہ اسے تازہ پھل نہیں لگتے بلکہ یہی کہا جاتا ہے کہ کسی زمانہ میں اسے پھل لگتا تھا وہ اب ثمردار درختوں میں رکھے جانے کے قابل نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ آگ کی نذر کیا جائے اور کسی مذہب کا پھل یہی ہے کہ وہ ایسے کامل انسان پیدا کرے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل تعلق رکھنے والے ہوں اور ان کی نفسانی خواہشات مر گئی ہوں اور اپنے ساتھ ایسے بیّن نشان رکھتے ہوں کہ ان کا وجود دوسروں کے لئے اس مذہب کی صداقت کا نشان ہو پس اگر دوسرے مذاہب اس قسم کے آدمی پیدا کرنے سے قاصر ہیں جو اس بات

کے مدعی ہوں کہ ہم اس مذہب پر چل کر خدائے تعالیٰ تک پہنچ گئے ہیں اور اس کے مکالمہ کی نعمت عظمیٰ سے مستفید ہوئے ہیں اور ہمارا ایمان صرف سنی سنائی باتوں کی بناء پر نہیں بلکہ مشاہدات کی بناء پر ہے تو وہ بے ثمر درخت ہیں اور ان کا کوئی حق نہیں کہ اپنی صداقت کے مدعی ہوں اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ کبھی ان میں ثمر لگتا بھی تھا تو اب وہ قابل تعریف نہیں ہو سکتے کیونکہ کسی باغ کا مالک اس بات پر فخر نہیں کر سکتا کہ اس کے باغ میں پہلے اچھے پھل لگا کرتے تھے گو اب نہیں لگتے۔ جس وقت اسے پھل لگتے تھے اس وقت وہ قابل تعریف تھا اب وہ صرف ایندھن ہے اور باغ کہلانے کا مستحق نہیں اور چونکہ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس پر چل کر ہر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں اس لئے اسلام ہی سچا مذہب ہو سکتا ہے ورنہ اور کوئی مذہب بھی اپنا یہ کمال دکھائے کہ اس پر عمل کر کے ہر زمانہ میں باکمال انسان پیدا ہوں پس یہ اسلام کی ایک خصوصیت ہے اور خدائے تعالیٰ کا آنحضرت ﷺ سے وعدہ ہے کہ کم سے کم ہر صدی کے سر پر تو ایک انسان ضرور بھیجا جایا کرے گا جو تجدید دین کرے گا اب اگر ہم کسی زمانہ میں یہ خیال کر لیں کہ اسلام سے بھی یہ خوبی جاتی رہی ہے اور اب آئندہ اس میں کامل انسان پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں تو یہ ایک ظلم ہو گا جس کی کوئی انتہاء نہیں کیونکہ اس کے معنے دوسرے الفاظ میں یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ وعدہ خلاف ہے کہ اس نے ایک وعدہ خاتم النبیینؐ سے کیا تھا مگر کچھ مدت کے بعد اسے پورا کرنا چھوڑ دیا۔ یا اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ نے غلط بیانی کی یا یہ کہ اسلام بھی اب مردہ مذاہب میں شامل ہو گیا ہے اور اب اس میں وہ قوت قدسیہ نہیں رہی جس کی وجہ سے اسے دوسرے مذاہب پر فضیلت تھی مگر یہ سب خیالات باطل ہیں نہ تو اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کر سکتا ہے نہ آنحضرت ﷺ غلط بیانی کر سکتے ہیں نہ اسلام کبھی مردہ مذاہب میں شامل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بنی نوع انسان کے لئے آخری مذہب ہے اور اس کے بعد اور کوئی مذہب نہیں پس اگر یہ بھی مر جائے تو دنیا کی ہدایت کا کوئی سامان نہیں رہتا کیونکہ اسلام کے بعد کوئی اور نیا مذہب نہیں آ سکتا اس وجہ سے کہ شریعت کامل ہو چکی ہے اور کامل شریعت کے بعد اور کسی شریعت کی ضرورت نہیں پس یہ سب خیالات باطل ہیں اسلام زندہ مذہب ہے اور قیامت تک اپنی معجزانہ قدرتوں کو ظاہر کرتا رہے گا۔ اسی ایک مذہب سے روحانی زندگی مل سکتی ہے اور اس کے سوا کوئی اور دروازہ نہیں جس میں سے ہو کر انسان خدائے تعالیٰ تک پہنچ سکے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اسلام میں ہر صدی کے سر پر ایک مجدد

کا آنا ضروری ہے اور قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے اور یہ زمانہ بھی ایک ایسے انسان کا محتاج ہے جو اس کے مفاسد کو دور کرے اور اسلام کو پھر قائم کرے اور اس کے دشمنوں کا مقابلہ کرے اور اندرونی اور بیرونی خرابیوں کی اصلاح کرے۔ تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ مجدد کہاں ہے؟ جو اس صدی کے سر پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہُوا ہے اس سوال کے جواب میں مَیں جناب کو بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہمیں بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور اپنے فضل سے اس صدی کے سر پر بھی ایک عظیم الشان انسان مبعوث کیا ہے جو اپنی شان میں پہلے تمام مجددین سے اعلیٰ اور ارفع ہے اور ان کا نام مرزا غلام احمدؑ صاحب قادیانی ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود اور مہدی مسعود کا درجہ عطا فرما کر دنیا میں بھیجا اور وہ اپنا کام کرکے اپنے وقت پر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور انہیں کے دعویٰ کے متعلق مجھے اشارہ ہُوا ہے کہ میں جناب کو واقفیت بہم پہنچاؤں۔

جیسا کہ میں پہلے ثابت کر آیا ہوں اس وقت اسلام کی حالت ایسی کمزور ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسی نہیں ہوئی اور اس قدر بیرونی اور اندرونی دشمن پیدا ہو گئے ہیں کہ ان کے حملوں کا دفعیہ بجز تائید الٰہی نہیں ہو سکتا اور اگر ان مفاسد کے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سامان نہ کیا جاتا تو اسلام کا انجام سوائے تباہی کے اور کچھ نہ ہوتا کیونکہ اب انسانی تدابیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ کہ طبیب اور مریض سب بیمار ہیں اور علماء و صوفیاء و امراء و عوام سب کے سب غافل اور دین سے بے بہرہ ہو رہے ہیں اور بدیوں کا سیلاب ایسے زور سے اُمڈا چلا آرہا ہے کہ اس کے روکنے کی کسی انسان کو طاقت نہیں۔ بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر دین سے بے پرواہی اس وقت ہے اس کی نظیر دنیا میں اس سے پہلے کبھی نہیں ملتی اور اس کا بڑا سبب یہی ہے کہ دنیاوی ترقیات جو اس زمانہ میں ہوئی ہیں پہلے کبھی نہیں ہوئیں اور جس قدر ترغیب و تحریص زیادہ ہوتی ہے اسی قدر انسان گناہ میں زیادہ مبتلاء ہوتا ہے۔ پس دنیاوی عیش و آرام کے سامان اور دنیاوی علوم کی ترقی ایسے انتہائی نقطہ کو پہنچ گئی ہے کہ اس سے پہلے کبھی اسے یہ درجہ حاصل نہیں ہُوا۔ اسی لئے اس زمانہ میں گناہوں کی جو کثرت ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی اور اس زمانہ میں شیطان کا حملہ پہلے زمانوں کے حملوں سے بہت زیادہ سخت ہے کیونکہ پہلے زمانوں میں گناہوں کی کثرت عام طور سے جہالت کے طریقوں سے ہوتی تھی اور اب بدیوں اور بدکاریوں کے خیالات کو علوم کا رنگ دیکر زیادہ مضبوط طور پر لوگوں کے دلوں میں گاڑا گیا ہے اور علوم کی ترقی نے انسان کو اس

وہم میں مبتلاء کر دیا ہے کہ میں جو کچھ چاہوں کر سکتا ہوں اب تک میرا وہم ہی تھا کہ کوئی زبردست ہستی دنیا کی نگران ہے ورنہ یہ سب کارخانہ چند قوانین نیچر کے ماتحت چل رہا ہے اور میرے ہاتھ میں ان قوانین میں سے بہت سے قواعد کی کنجیاں تو آگئی ہیں اور باقی میں تھوڑی سی کوشش سے حاصل کر لونگا اور اپنے تمام کام خود کر لونگا پس یہ حربہ پہلے حربوں سے زیادہ تیز ہے اور اس زمانہ کے فتنہ کے دور کرنے کے لئے ایک نہایت ہی مقرب بارگاہ الٰہی کی ضرورت ہے جو اپنی قوت قدسیہ سے اس فتنہ کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کی طاقتوں اور قدرتوں کے زندہ ثبوت دے تاکہ جو لوگ دنیا کے عشق میں مبتلاء ہیں ان کے دل اس محبت سے سرد ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

موجودہ فتنہ کی عظمت بظاہر تو نہایت مایوس کن ہے لیکن جب ہم قرآن کریم اور احادیث میں اس فتنہ کی خبر تیرہ سو سال پہلے سے لکھی ہوئی دیکھتے ہیں تو دل مضبوط ہو جاتے ہیں اور یقین آجاتا ہے کہ جس انسان نے تیرہ سو سال پہلے اس فتنہ کی خبر دی تھی اور وہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ ضرور ہے کہ اس نے جو علاج بتایا ہے وہ بھی ضرور تیر بہدف ہو گا اور جس خدا نے آج تک اسلام کو اس کے دشمنوں کے حملے سے بچایا ہے اب بھی بچائے گا وہ علاج کیا ہے؟ وہ ایک ایسے انسان کی بعثت ہے جو حضرت مسیح کے رنگ میں رنگین ہو کر اس دنیا کو مسیحی فتنہ سے بچائے گا اور مہدی کا درجہ پا کر مسلمانوں کی اندرونی اصلاح کرے گا اور ان کے امراض کو دور کرے گا اور اس کے مسیحی نفس سے لوگ شفاء پائیں گے کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کی اتباع کرتے کرتے آپ کا کامل مظہر ہو جائے گا حتّٰی کہ اس کا کام آنحضرتؐ ہی کا کام ہو گا اور اس میں اور آنحضرت ﷺ میں کوئی دوئی نہ ہو گی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ یعنی آنحضرت ﷺ دو دفعہ دنیا کی ہدایت فرمائیں گے ایک دفعہ تو اپنے زمانہ میں جو صحابہ کرامؓ کا زمانہ تھا اور ایک دفعہ آخری زمانہ میں ایک ایسی جماعت کو ہدایت فرمائیں گے جو صحابہ سے فاصلہ پر ہو گی۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ فوت ہو چکے ہیں آپ تو دوبارہ دنیا میں تشریف نہیں لا سکتے اس کا یہی مطلب ہے کہ آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر آپ کی کامل اتباع اور فرمانبرداری کر کے ایک شخص اس زمانہ میں اسلام کی درستی اور تجدید کرے گا اس لئے اس کی اصلاح اور اس کا کام آنحضرت ﷺ کی ہی اصلاح اور آپ کا ہی کام ہو گا کیونکہ وہ آپ کی محبت سے ایسا سرشار ہو گا کہ اس کا اپنا وجود بالکل آپ کے وجود میں فنا ہو جائیگا اور دونوں کا تعلق ایسا ہی ہو گا جیسا کہ کسی شاعر نے بیان کیا ہے

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اور اسی تعلق کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسیح موعود میری قبر میں دفن کیا جائے گا کیونکہ یہ تو ناممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کبھی کھودی جائے اور اس میں مسیح کو دفن کیا جائے یہ تو ایسی ہتک ہے کہ جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا اور جب تک کسی سچے مسلمان کی جان میں جان ہے وہ اس امر کو کبھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے آنحضرت ﷺ کی قبر کو کھودا جائے۔ پس یہ امر تو خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ آنحضرت ﷺ کی قبر کھود کر مسیح کو دفن کیا جائیگا بلکہ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ مسیح موعود آپ کے رنگ میں ایسا رنگین ہو گا کہ اسے آپ کے ساتھ ہی رکھا جائے گا اور قبر اس مقام کا بھی نام ہے جہاں مرنے کے بعد ارواح انسانی رکھی جاتی ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں آتا ہے ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (عبس:۲۲) اور اگر معروف قبر اس آیت میں مراد لی جائے تو کسی طرح درست نہیں ہو سکتا کیونکہ کروڑوں آدمی بجائے دفن ہونے کے جلائے جاتے ہیں پس اَقْبَرَهٗ سے یہی مراد ہے کہ اس مقام میں اسے رکھتا ہے جہاں مرنے کے بعد ارواح کو رکھا جاتا ہے اور یہی وہ قبر ہوتی ہے جو مؤمن و کافر کے لئے کشادہ ہو جاتی ہے یا تنگ ہو جاتی ہے۔ پس احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ مسیح موعود آنحضرت ﷺ کا کامل متبع ہو کر آپ کے رنگ میں ہی رنگین ہو جائیگا اور اس وقت کے فتن کے مٹانے کے لئے کسی ایسے ہی وجود کی ضرورت ہے جو آنحضرت ﷺ کا کامل بروز ہو ورنہ یہ فتنہ کسی معمولی انسان سے نہیں مٹ سکتا۔ جس عظمت کا کام ہو اسی عظمت کا آدمی اس کے پورا کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے پس اس زمانہ میں ایک عظیم الشان وجود کی ضرورت ہے جو اس فتنہ کو دور کرے کیونکہ اسلام کا اس وقت صرف نام رہ گیا ہے ورنہ ایمان مفقود ہے اور قرآن کریم کے لفظ محفوظ ہیں مگر معانی کے مستور ہو جانے کا سخت خطرہ در پیش ہے اور اس وقت اسلام کی وہی حالت ہو رہی ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی کیونکہ گو اس وقت مسلمان موجود ہیں لیکن جس طرح آنحضرتؐ کے ابتدائے ایام میں اسلام صرف چند اشخاص تک محدود تھا اسی طرح اب حقیقت اسلام دنیا سے مفقود ہے اور صرف چند کس تک محدود ہے پس اس زمانہ کی اصلاح بالکل اس کام سے مشابہ ہے جو آنحضرت ﷺ نے کیا اور سورہ جمعہ سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ پھر دنیا کی ہدایت فرمائیں گے جس کے معنے یہ ہیں کہ

آپ کے رنگ میں رنگین ہو کر کوئی شخص اصلاحِ عالم کریگا۔ ادھر جب احادیث پر نظر کرتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کامل مظہر مسیح موعود ہوگا کیونکہ اسی کی نسبت آیا ہے کہ وہ آپ کی قبر میں داخل ہوگا پس ان سب باتوں کو ملا کر صاف ظاہر ہے کہ یہ زمانہ مسیح موعود کے لئے مخصوص ہے اور اس صدی کا مجدد مسیح موعود ہی ہونا چاہئے جس کی نسبت حدیث میں آتا ہے کہ لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى (سنن ابن ماجہ باب شدۃ الزمان) یعنی جس وقت مسیح آئیں گے تو وہی مہدی ہونگے ان کے علاوہ کوئی اور مہدی نہ ہوگا۔

پس یہ زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے اور تیرھویں صدی کو گزرے تیس سال ہو چکے ہیں اس وقت کسی مجدد کا ظاہر نہ ہونا بلکہ مسیح موعود کا نازل نہ ہونا اسلام کے لئے سخت تباہی کا موجب ہے اور اگر یہ بات فرض کر لی جائے کہ اس صدی کے سر پر کوئی مجدد نہیں آیا تو دشمنان اسلام کے لئے اسلام پر ہنسی کرنے کا ایک نادر موقعہ بہم پہنچتا ہے کیونکہ اس وقت علوم جدیدہ کی کثرت کی وجہ سے لوگوں کے خیالات دہریت کی طرف مائل ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں علوم کی اشاعت کی وجہ سے الہام وغیرہ کا دعویٰ کامیاب نہیں ہو سکتا اور ان دعاوی کے ساتھ آجکل کوئی شخص دنیا میں غالب نہیں آسکتا پس اس صدی کا ایسے شخص سے خالی جانا گویا دشمن دین کے لئے ایک بڑی خوشی کا مقام ہوگا کیونکہ ان کے دعوے کا ثبوت بھی مل جائے گا کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ الہام اور تعلق باللہ سب ڈھکوسلا ہے اور آج سے پہلے جو لوگ قربِ الٰہی کے دعوے کر کے اپنے پیرو پیدا کر لیتے رہے ہیں تو یہ جہالت کی وجہ سے تھا ورنہ اسلام کا یہ دعویٰ اس صدی کے متعلق کیوں پورا نہ ہؤا کہ ہر صدی کے سر پر مجدّد کا آنا ضروری ہے اگر ایسا ہوتا چلا آیا ہے تو اس صدی کے سر پر کیوں کوئی مجدد نہیں آیا معلوم ہؤا کہ چونکہ اس وقت علوم کی اشاعت کی وجہ سے کوئی شخص اس دعوے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اس لئے کسی کو جرأت نہیں ہوئی غرض کہ اگر یہ صدی مجدد سے خالی جائے تو نہ صرف اللہ تعالیٰ پر وعدہ خلافی کا الزام آتا ہے بلکہ مسلمانوں کی رہی سہی طاقت بھی زائل ہوتی ہے کیونکہ دشمنوں کے ہاتھ میں ایک ایسا حربہ آجاتا ہے کہ جس سے محفوظ رہنے کا کوئی طریق نظر نہیں آتا اس زمانہ کا حال تو ایسا ہے کہ آج تک اگر کوئی مجدّد نہ بھی ہؤا ہوتا اور کوئی وعدہ بھی نہ ہوتا تب بھی اس زمانہ میں ضرور کوئی مصلح آنا چاہئے تھا تاکہ مخالفین اسلام کو دلائل نیرہ سے لاجواب کرے چہ جائیکہ مجددین کا سلسلہ چلتے چلتے اس زمانہ میں آکر رک جائے۔

مگر جیسا کہ میں پہلے بتا آیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کو بھی مجدد سے خالی نہیں جانے دیا اور

جیسا کہ آنحضرت ﷺ سے وعدہ تھا اور زمانہ کا مطالبہ تھا اس شخص کو بھیج دیا جو اس زمانہ کے فتنہ کو دور کرنے کے قابل تھا اور اس کے وجود سے اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو پھر قائم کر دیا اور دشمنان اسلام کو سخت رسوا و ذلیل کیا۔ اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ یہ زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے چنانچہ علاوہ ضروریات زمانہ کے جس قدر علامات مسیح موعود کے نزول کے لئے بیان کی گئی ہیں وہ سب پوری ہو چکی ہیں اور اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی مسعود کا زمانہ ہے مثلاً آنحضرت ﷺ نے مہدی معہود کے لئے ایک زبردست علامت یہ بیان فرمائی تھی کہ اس کے زمانہ میں چاند کی پہلی اور سورج کی درمیانی شب کو رمضان کے مہینہ میں خسوف کسوف ہو گا اور آپ نے اس علامت کی نسبت یہاں تک فرمایا کہ ایسا واقعہ پیدائش عالم سے اب تک نہیں ہؤا حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْخَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ (سنن دار قطنی باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف وھیئتھما) پس یہ ایک زبردست علامت ہے جس پر شیعہ اور سنی دونوں اقوام کا اتفاق ہے اور اسے پورے ہوئے آج قریباً بیس سال ہو گئے ہیں بعض لوگ اس پیشگوئی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں تو رمضان کی تیرھویں کو چاند گرہن اور اٹھائیسویں کو سورج گہن ہؤا تھا مگر حدیث میں پہلی اور نصف کا ذکر ہے اس کے متعلق بھی میں جناب کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ اعتراض ان لوگوں کے قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے کیونکہ اس حدیث میں خسوف قمر کا ذکر ہے اور قمر عربی زبان میں اس چاند کو کہتے ہیں جو تیسری رات سے اوپر کا ہو۔ پہلی تاریخ کے چاند کو عربی میں ہلال کہتے ہیں نہ کہ قمر۔ اور قمر کی یہ خصوصیت لسان العرب وغیرہ لغت کی بڑی کتابوں کے علاوہ چھوٹی چھوٹی کتب لغت میں بھی موجود ہے چنانچہ منجد میں بھی قمر کے یہ معنے لکھے ہیں اَلْقَمَرُ كَوْكَبٌ يَسْتَمِدُّ نُوْرُهٗ مِنَ الشَّمْسِ فَيَنْعَكِسُ عَلَى الْاَرْضِ فَيَرْفَعُ ظُلْمَةَ اللَّيْلِ وَهُوَ قَمَرٌ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلٰى اٰخِرِ الشَّهْرِ وَاَمَّا قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ هِلَالٌ مگر افسوس ہے کہ اس وقت مسلمانوں سے عربی زبان کا علم بالکل اٹھ گیا ہے اور جہالت ان پر غالب ہو گئی ہے غرض کہ اس حدیث کے یہ معنے کرنے کہ چاند کو پہلی رات اور سورج کو پندرھویں تاریخ گہن لگے گا عربی زبان اور سنت اللہ کے خلاف ہیں کیونکہ سنت اللہ بھی یہی ہے کہ چاند کو ہمیشہ تیرھویں چودھویں پندرھویں کو اور سورج کو ستائیسویں اٹھائیسویں اور انتیسویں کو گہن لگا کرتا ہے۔ اور پہلی رات سے مراد تیرھویں (۱۳) رات ہے۔ جو

ان راتوں میں سے پہلی ہے جن میں چاند کو گہن لگتا ہے اور درمیانے دن سے مراد اٹھائیسویں تاریخ ہے جو ان تاریخوں میں سے درمیانی تاریخ ہے جن میں سورج کو گہن لگتا ہے۔ اور ان تاریخوں میں چاند اور سورج کو گہن لگ چکا ہے جس سے ثابت ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں اس مہدی کا ظہور ہو گا جس نے مسیح بھی کہلانا ہے۔

اسی طرح اس زمانہ کی ایک یہ علامت آنحضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا (مسلم کتاب الایمان باب بیان نزول عیسیٰ ابن مریم) یعنی اونٹ چھوڑ دیئے جائیں گے اور کوئی ان پر سوار نہ ہو گا اور قرآن شریف میں بھی ہے کہ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵) یعنی دس ماہ کی گابھن اونٹنی کی بھی قدر نہ رہے گی اور وہ کھلی چھوڑ دی جائے گی چنانچہ اس زمانہ میں ریل کی سواری کی وجہ سے ان جانوروں کی وہ ضرورت نہیں رہی جو پہلے تھی اور اب تو مدینہ منورہ تک ریل پہنچ چکی ہے اور مکہ مکرمہ تک لے جانے کی تجویز ہو رہی ہے پس اس علامت نے بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر مسیح موعود کے زمانہ کی گواہی دیدی ہے اسی طرح اخبارات اور کتب کی اشاعت اور رادیگیشن کی ترقی کی خبر دی گئی تھی جیسے کہ فرمایا وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر: ۱۱) اور وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر: ۷) اور آجکل مطابع کی ایجاد سے صحف و اخبار کی جو کثرت ہے اور ریلوں کی وجہ سے ان کی جس قدر اشاعت ہے وہ محتاج تصدیق نہیں پھر دریاؤں کے پانی کاٹ کاٹ کر جس طرح نہریں نکالی گئی ہیں اور جس طرح دریاؤں کے پانیوں کو سکھا دیا گیا ہے وہ بھی ایک بیّن امر ہے جس کے لئے کسی مزید شہادت کی ضرورت نہیں اسی طرح اور بہت سی علامات ہیں جو مسیح موعود کے زمانہ اور قرب قیامت کے لئے نشان قرار دی گئی ہیں اور وہ پوری ہو چکی ہیں پس قرآن کریم اور احادیث کی شہادت سے صاف ثابت ہے کہ یہ زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہی ہے بلکہ بتیس (۳۲) سال سے وہ زمانہ شروع ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آنا چاہئے اور اب تو تیرھویں صدی ختم ہو کر چودھویں صدی سے بھی تیسرا حصہ گزر چکا ہے۔

پس جبکہ یہ زمانہ مسیح موعود کا ہے اور اس کی بعثت کا زمانہ ہے بھی صدی کا سر۔ تو حضرت مرزا غلام احمد صاحبؑ قادیانی کا دعویٰ قبول نہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی عذر نہیں رہتا کیونکہ آپ کے سوا اس وقت دنیا کے پردہ پر کسی انسان نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی کوئی مجددیت کا مدعی ہے اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو مرزا صاحب کا دعویٰ سچا تسلیم کیا جائے یا اسلام کی

اس عظیم الشان پیشگوئی کو باوجود علامات کے پورا ہونے کے غلط قرار دیکر اسلام کا انکار کیا جائے (نعوذ باللہ من ذلک) اور دشمنان اسلام کا حق ہے کہ وہ ہم سے مطالبہ کریں کہ اس صدی کا مجدد کونسا ہے اسے ہمارے سامنے پیش کرو کیونکہ تمہارے ساتھ وعدہ ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آئیں گے اسی طرح وہ مسیح موعود کی بعثت کا بھی سوال کر سکتے ہیں کہ جو زمانہ بتایا گیا تھا اسے تو بتیس (۳۲) سال گزر چکے ہیں پھر وہ اب تک کیوں نہیں آیا۔ جب کوئی شخص ایسا مدعی نہیں کھڑا ہُوا تو اسلام کی صداقت میں شبہ لازم آتا ہے۔ اسی طرح دشمنوں کا اعتراض ہو سکتا ہے کہ تم تو اسلام کو خدا تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ مذہب کہتے ہو۔ اگر تمہارا دعویٰ سچا ہوتا تو اب جبکہ اسلام پر ایسا خطرناک وقت آیا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہیں آیا اور نہ اس سے بدتر اور کوئی حالت ہے کہ وہ اسلام پر آسکتی ہے اندرونی اور بیرونی دشمنوں نے اس کی حقیقت کو ایسا مسخ کر دیا ہے کہ اصل اسلام کا کوئی پتہ ہی نہیں ملتا تو ضرور تھا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کوئی شخص ایسا کھڑا کرتا جو اسلام کو پھر اپنی اصلی شان و شوکت پر لاتا اور اس کی جڑھوں کو مضبوط کرتا لیکن جبکہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی کوئی خبر نہیں لی اور اسے چھوڑ دیا ہے کہ وہ ذلیل ہو اور ہر طرح اسے کچلا جائے تو معلوم ہُوا کہ وہ خدا تعالیٰ کا مذہب نہیں اس اعتراض کا جواب وہ لوگ کچھ بھی نہیں دے سکتے جو اس صدی کے سر پر کسی مجدد کے قائل نہیں یا جو مسیح موعود کے ظہور کی علامات کو دیکھتے ہوئے پھر کسی مسیح کے ماننے کے لئے تیار نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی جماعت اس اعتراض کو فوراً رد کر سکتی ہے اور کہہ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ صدی بھی مجدد سے خالی نہیں گئی اور اس زمانہ میں معمولی مجدد نہیں بلکہ مسیح موعود کو بھیج کر اللہ تعالیٰ نے اسلام کو مضبوط کر دیا ہے اور اس کے ذریعہ سے اسلام کی عظمت کو قائم کیا ہے اور اسلام کو مصائب میں نہیں چھوڑا بلکہ ایسی دستگیری فرمائی ہے کہ دشمنوں کے گھروں میں ماتم پڑ گیا ہے۔

میں جناب کے سامنے اس وقت تک اس بات کا ثبوت پیش کر چکا ہوں کہ اسلام کی حالت ایک مصلح کی طالب ہے اور اب مسلمانوں کی درستی اسی صورت میں ہے کہ کوئی شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی کھڑا کیا جائے جو اپنی قوت قدسیہ سے اصلاح کرے اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سے بھی یہ وعدہ ہے کہ آخری زمانہ میں مسیح موعود مبعوث ہوں گے اور وہ زمانہ یہی ہے اور یہ کہ مجدد کی بعثت کا وقت صدی کا سر ہوتا ہے اور وہ گزر چکا ہے اور اس وقت مرزا صاحبؑ قادیانی کے سوا اور کوئی شخص مدعی مسیحیت اور مہدویت نہیں ہے پس اگر آپ کا دعویٰ نہ قبول کیا جائے تو خود

اسلام کی سچائی سے انکار کرنا پڑتا ہے کیونکہ عین ضرورت کے وقت اس وعدہ کا ایفاء نہیں ہوا جو تیرہ سو سال پہلے کیا گیا تھا اور جسے اسلام کے قیام کا ایک بہت بڑا نشان قرار دیا گیا تھا۔

اس کے بعد میں دو اور شبہات کا ازالہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ مرزا صاحب مسیح موعود کیونکر ہو سکتے ہیں جبکہ مسیح کی نسبت عام طور پر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے اور انہیں کے ذمہ اصلاح مفاسد ہے دوسرے یہ کہ مسیح موعود کی آمد کی بڑی علامت خروج دجال ہے جب تک دجال نہ نکلے مسیح موعود کا ظہور کیونکر ہو سکتا ہے۔

پہلے سوال کے جواب میں یہ عرض ہے کہ قرآن شریف یا احادیث صحیحہ میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے ایک برگزیدہ نبی تھے اب تک زندہ ہیں اور وہی دوبارہ آئیں گے اصل بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ ان مسیحی نو مسلموں کی وجہ سے مسلمانوں میں پھیل گیا جو ابتدائے اسلام میں بڑی کثرت کے ساتھ مسلمانوں میں داخل ہوئے تھے چونکہ وہ مسیح علیہ السلام کو خدا کا فرزند مانتے تھے اور وہ عزت ان کے دلوں میں سے فوراً نہیں نکل سکتی تھی اس لئے وہ کچھ ایسے قصے اپنے ساتھ لے آئے جن سے مسیح کی عظمت ظاہر ہو اور مسلمانوں نے سادہ لوحی سے بجائے ان کی اصلاح کے ان کے خیالات کو اخذ کر لیا اور ایک خطرناک غلطی میں مبتلاء ہو گئے ورنہ قرآن کریم تو جہاں ذکر کرتا ہے مسیح علیہ السلام کی وفات کا ہی ذکر کرتا ہے بلکہ اور انبیاء کی وفات پر اللہ تعالیٰ نے اس قدر زور نہیں دیا جس قدر مسیح علیہ السلام کی وفات پر زور دیا ہے اور مختلف پیرایوں میں آپ کی وفات کا ذکر کیا ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ جانتا تھا کہ کسی وقت یہ عقیدہ مسلمانوں کو خراب کرے گا چنانچہ فرمایا ہے يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ (اٰل عمران: ۵۶) اس آیت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام آسمان پر تو جا بیٹھے ہیں لیکن ابھی تک مُتَوَفِّيْكَ کا وعدہ پورا نہیں ہوا جو رَافِعُكَ سے پہلے مذکور ہے ایک ظلم عظیم ہے جس لفظ کو اللہ تعالیٰ پہلے رکھتا ہے کسی کا کیا حق ہے کہ اسے پیچھے کرے؟ قرآن کریم ایک قانون کی کتاب ہے اور اس کے احکام پر چلنا مسلمانوں کا فرض ہے اگر اس کے الفاظ کو آگے پیچھے کر کے معنے کرنے شروع کر دیئے جائیں تو جناب اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ کیسا اندھیر پڑ سکتا ہے کوئی دنیا کی حکومت اس بات کو روا نہیں رکھ سکتی کہ اس کے

کوڈ کے دفعات کو لوگ الٹ پلٹ کر دیں اور اگر کوئی جج ایسی حرکت کرے تو فوراً اسے علیحدہ کیا جائے کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ اسے جج رکھا جاسکے۔ اور چونکہ جناب کو اللہ تعالیٰ نے حاکم بنایا ہے اس مسئلہ کو جناب بہت بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ قانون کے الفاظ کو بغیر ہدایت شارع آگے پیچھے کرنے سے کس قدر خطرناک نقصانات کا احتمال ہو سکتا ہے پھر خدا تعالیٰ کے کلام کو نہایت دلیری سے اپنے منشاء کے ماتحت چلانا اور جہاں چاہنا کہہ دینا کہ اس میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون شخص فصیح کلام کر سکتا ہے؟ وہ خود الفاظ کو آگے پیچھے کر سکتا تھا ضعیف انسان کا اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں دعویٰ کرنا کہ خدا تعالیٰ نے جس لفظ کو پہلے رکھا ہے میں اسے پیچھے کروں گا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر خود قرآن کریم ہی فرمادیتا کہ اس لفظ کو پہلے رکھو اور اس کو پیچھے تو وہ اور بات تھی یا خود آنحضرت ﷺ ایسا فرمادیتے تب بھی بات تھی لیکن ہمارا ایسی دلیری کرنا کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا اور ایسی حرکت کو اپنے قانون کے متعلق دنیاوی حکومتیں بھی جائز نہیں قرار دیتیں چہ جائیکہ خدائے علیم و خبیر اپنے کلام میں اس تصرف کو پسند فرمائے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

جناب اس بات کو دیکھ سکتے ہیں کہ یہ آیت حضرت مسیح کی وفات کے متعلق کیسی صاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے وفات دونگا اور تیرا درجہ بلند کروں گا۔ اور تجھے پاک قرار دونگا اور تیرے متبعین کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دونگا اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ سب باتیں پوری ہو چکی ہیں۔ حضرت مسیح کا رفع بھی ہو چکا ہے آپ کو قرآن کریم نے ان سب الزامات سے جو یہود آپ پر لگاتے تھے پاک بھی قرار دے دیا آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر غلبہ بھی مل چکا ہے اب اگر مُتَوَفِّیْکَ کا وعدہ پورا ہونا باقی ہے تو اس کا مقام یوم قیامت ہی ہے کیونکہ وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کا عرصہ قیامت کے دن تک ممتد ہے پس اگر مُتَوَفِّیْکَ کا وعدہ اس سے پہلے پورا ہونا تھا تو چونکہ غلبہ نصاریٰ بر یہود ہو چکا ہے آپ فوت بھی ہو چکے ہیں اور اگر بفرض محال تقدیم و تاخیر کی وجہ سے اس کے بعد مُتَوَفِّیْکَ کا وعدہ پورا ہونا ہے تو یہ وعدہ تو قیامت تک چلا جائیگا اس کے بعد وفات کا یہ مطلب ہے کہ جب سب لوگ زندہ کئے جائیں گے اس وقت مسیح علیہ السلام کو وفات دی جائیگی اور یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ وقت زندہ کرنے کا ہو گا نہ مارنے کا۔ تو مجبوراً یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت مسیح وفات سے بالکل محفوظ رہیں گے اس سے ایک تو مُتَوَفِّیْکَ کی تکذیب ہوتی ہے دوسرے مسیح کو خدا ماننا پڑتا ہے کیونکہ موت

سے محفوظ تو خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں - غرض اس تقدیم و تاخیر سے اس قدر نقائص لازم آتے ہیں کہ اسلام کا ان سے قلع قمع ہو جاتا ہے اور کونسا مسلمان ہے جو اپنی خوشی سے اسلام کی تباہی چاہے گا؟-

اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں تقدیم و تاخیر کی اجازت قلت تدبر کی وجہ سے لوگوں نے دی ہے ورنہ کَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ اس شہنشاہ کا کلام جسکے سامنے سب دنیا کے بادشاہ لرزاں و ترساں ہیں اور ہر وقت اس کے محتاج ہیں ایسے عیوب سے بالکل پاک ہے اور اس نے جو لفظ جہاں رکھا ہے وہیں درست ہے اس کے آگے پیچھے کرنے کی کسی کو اجازت نہیں اور اگر کوئی آگے پیچھے کرے تو ضرور نقص لازم آئے گا جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ اگر آیت یٰعِیْسٰٓى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ ..... میں تقدیم و تاخیر کریں تو مسیح علیہ السلام کی وفات کا کوئی وقت رہتا ہی نہیں کیونکہ باقی سب وعدے پورے ہو چکے ہیں اور صرف مُتَوَفِّیْكَ کو اگر باقی رکھا جائے تو اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ کے بعد اس کی جگہ بنتی ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح کبھی فوت ہی نہ ہونگے پس بہتر یہی ہے کہ تقدیم و تاخیر کو اللہ تعالیٰ کے کلام میں جائز نہ قرار دیا جائے ورنہ اس ذات باری کی ہتک بھی ہوگی اور اپنے علم کی بھی کمزوری ثابت ہوتی ہے - میں جناب کے سامنے اس وقت ایک دو مثالیں پیش کرتا ہوں جن میں لوگوں نے تقدیم و تاخیر کا فیصلہ دیا ہے لیکن دراصل ان کی غلطی ہے قرآن کریم کے لفظ جہاں رکھے گئے ہیں وہیں درست ہیں ان کا ہلانا درست نہیں -

مثلاً بعض علماء نے لکھا ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (البقرہ:۵) میں تقدیم و تاخیر ہے کیونکہ پہلے مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ چاہئے جو پہلے نازل ہوا اس کا ذکر پہلے مناسب تھا اور جو بعد میں نازل ہوا اس کا ذکر بعد میں چاہئے تھا - لیکن ایسا کہنے والوں نے صرف ایک ہی طرف نظر رکھی ہے یعنی نزول کے مدارج کو تو مدنظر رکھا ہے لیکن یہ نہیں دیکھا کہ ترتیب کے لئے کئی امور کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے مثلاً جب دو شخصوں کا ذکر کیا جائے تو بسا اوقات ان کی عمروں کے لحاظ سے ان کے ناموں کا ذکر کیا جائے گا لیکن کبھی ان کے قرابت کے لحاظ سے نام لئے جائیں گے اور اگر کوئی شخص اعتراض کرے تو یہ اس کے قلت تدبر کا نتیجہ ہو گا - ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نو عمر حاکم اگر کسی کے ہاں جائے تو وہ اس کے استقبال اور خاطر و مدارات کی طرف متوجہ ہو گا نہ کہ اس کے ساتھ کے بڑی بڑی عمروں کے ملازمین کی طرف - پس صرف کسی چیز کا زمانہ میں پہلے ہونا اس بات کو نہیں چاہتا کہ اس کا ذکر پہلے کیا جائے بلکہ بسا اوقات ترتیب دینے میں مراتب کو مدنظر رکھا جاتا ہے

اور بڑی شان والی اشیاء کا ان سے ادنیٰ مرتبہ والی اشیاء سے پہلے ذکر کیا جاتا ہے۔

مجھے اس بات کے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک مسلمان توریت اور انجیل کو مان کر قرآن کریم کو نہیں مانتا بلکہ چونکہ وہ قرآن کریم کو مانتا ہے اس لئے توریت اور انجیل کو بھی مانتا ہے اور اگر قرآن کریم ان کتب کی تصدیق نہ کرتا اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے دعاوی کے برحق ہونے کی شہادت نہ دیتا تو ہمارے پاس کوئی ثبوت نہ تھا کہ ہم ان دونوں برگزیدوں کو خدا کے نبی یقین کرتے پس ایک مسلمان کا ایمان پہلی کتابوں پر اس لئے نہیں کہ اس نے ان کی صداقت کا امتحان کر لیا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ کتب سچی ہیں اگر قرآن کریم ان کی صداقت کی شہادت نہ دیتا تو بہت سے مسلمان ان کو کتب سماویہ میں داخل کرنے سے بالکل انکار کر دیتے کیونکہ ان کتابوں میں اس قدر تحریف ہو چکی ہے کہ انہیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے مثلاً توریت کے آخر میں موسیٰؑ کی نسبت یہ لکھا ہؤا ہونا کہ پھر موسیٰؑ مر گیا اور اب تک اس کی قبر کا پتہ نہیں ملتا اور اب تک اس جیسا کوئی انسان نہیں پیدا ہؤا صاف بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے سالہا سال بعد یہ فقرات لکھے گئے ہیں پھر ہم اسے موسیٰؑ کا الہام کیونکر کہہ سکتے ہیں غرض کہ توریت و انجیل کو اگر ہم مانتے ہیں تو صرف اس لئے کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ یہ کتابیں بھی ابتداء میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی اتری تھیں پس ہمارا ان پر ایمان لانا براہِ راست نہیں بلکہ قرآن کریم کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ بالکل درست ہے اور اس میں کوئی تقدیم و تاخیر نہیں۔ یہ آیت اس ترتیب سے اپنے پورے معانی ادا کر سکتی ہے اگر اُنْزِلَ اِلَيْكَ کو پیچھے کر کے اس کے معنے کریں اور تقدیم و تاخیر کو تسلیم کریں تو وہ لطیف اشارہ جو اس آیت میں قرآن کریم کے اس احسان کی طرف کیا گیا ہے جو اس نے کتب سابقہ پر کیا ہے باطل ہو جاتا ہے اور وہ لطافت اس کلام میں رہتی ہی نہیں کیونکہ گو پہلی کتب نزول کے لحاظ سے پہلے ہیں لیکن مسلمان کا ایمان ان پر قرآن کریم پر ایمان لانے کے بعد ہوتا ہے مثلاً ایک ہندو جب اسلام لاتا ہے تو کیا انجیل اور توریت کو مان کر پھر قرآن کو مانتا ہے یا پہلے قرآن کریم کو مان کر اس میں ان کتب کی تصدیق دیکھ کر ان کتب پر ایمان لاتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ پہلے قرآن کریم کو مانتا ہے پھر اس کے اشارہ سے ان کی صداقت کو بھی تسلیم کرتا ہے اور چونکہ اس آیت میں ذکر بھی ایمان لانے کا ہے اور ایمان کے لحاظ سے ایک مسلمان قرآن کریم کو مان کر پھر دوسری کتب کو مانتا ہے پس ضروری تھا کہ جس ترتیب سے یہ آیت ہے اسی ترتیب سے

اس کے معنے کئے جائیں اور جن لوگوں نے اس میں تقدیم و تاخیر کو جائز رکھا ہے انہوں نے اس لطیفہ کو جو ابھی مذکور ہوا ہے نہیں سمجھا۔

اسی طرح سورہ جمعہ میں ایک آیت ہے کہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۔ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۔ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۔ (الجمعہ:۱۲) اس آیت سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ جو لفظ قرآن کریم میں کسی ترتیب سے بیان کئے جائیں وہی ترتیب اس سے مراد لی جائے کیونکہ اس آیت میں ایک جگہ تو تجارت کو لھو سے پہلے بیان کیا ہے اور دوسری جگہ لھو کو تجارت سے پہلے بیان کیا ہے جس سے معلوم ہؤا کہ ترتیب مراد نہیں ہے ورنہ ایک ہی آیت میں یہ دو الفاظ دو طرح کیوں بیان کئے جاتے؟ اور کیوں ایک دفعہ ایک لفظ کو اور دوسری دفعہ دوسرے لفظ کو پہلے رکھا جاتا؟ مگر میں جہاں تک اس آیت پر غور کرتا ہوں مجھے یہ آیت برخلاف ان لوگوں کے قیاس کے جو اس سے تقدیم و تاخیر ثابت کرتے ہیں اس بات پر حجت معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ جہاں رکھا گیا ہے اسی جگہ مناسب تھا اور دوسری جگہ اس کا رکھنا جائز نہیں اور بجائے ترتیب کلمات کے خلاف ہونے کے یہ اس کی مؤید ہے اور وہ اس طرح کہ آیت کریمہ میں دو باتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ایک تو یہ کہ جب تجارت و لھو کو دیکھتے ہیں تو تجھے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ لھو و تجارت سے بہتر ہے پہلی صورت میں تو تجارت کو لھو سے پہلے بیان کیا ہے اور دوسری صورت میں لھو کو تجارت سے پہلے بیان کیا ہے اور جہاں تک میں غور کرتا ہوں مجھے اس اختلاف میں قرآن کریم کی شان عظیم نظر آتی ہے وہ اس طرح کہ پہلی صورت میں یہ مذکور ہے کہ لوگ تجارت اور لھو کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں اور رسول اور دین کی طرف کم خیال کرتے ہیں اب یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں یہ بتانا مدنظر ہے کہ انسان دنیاوی فوائد اور اپنے نفس کے آرام کو دین اور اللہ تعالےٰ کے احکام پر عام طور پر مقدم کرلیتا ہے اب یہ دیکھنا چاہئے کہ دین سے غافل کردینے والی جو دو چیزیں بیان کی گئی ہیں یعنی تجارت اور لھو ان میں سے کونسی دین سے زیادہ غافل کردینے والی ہے۔ اسی کا پہلے ذکر کرنا حسنِ کلام کے لئے ضروری ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ تجارت لھو سے زیادہ غافل کرنے والی ہے کیونکہ تجارت میں انسان کو فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور لھو میں صرف ایک غفلت ہی غفلت ہوتی ہے ورنہ فائدہ کچھ نہیں پس تجارت زیادہ موجب ہے دین سے غفلت کی بہ نسبت لھو کے۔ کہ وہ بھی موجبِ غفلت تو ہے لیکن تجارت سے

کم ہے۔ کیونکہ تجارت کی طرف رغبت کرنے کے لئے بعض زبردست محرک بھی ہوتے ہیں مثلاً اپنے کھانے پینے کا انتظام اور اپنے بیوی بچوں کے معاش کی فکر۔ اور لھو میں کوئی حقیقی مجبوری نہیں ہے جو انسان کو دین سے غافل کردے۔ لھو کو انسان بغیر کسی نقصان کے خطرہ کے چھوڑ سکتا ہے لیکن تجارت کو بغیر خطرہ نقصان کے نہیں چھوڑ سکتا۔ پس تجارت کا اختیار کرنا نفع کا موجب اور اس کا ترک کرنا نقصان کا باعث ہوتا ہے اور لھو کا اختیار کرنا صرف دل کے بہلانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کسی نفع کے لئے اور اس کے چھوڑ دینے سے کوئی نقصان نہیں پس تجارت لھو کی نسبت لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچنے کی زیادہ محرک ہے اس لئے اس جگہ تجارت کا ذکر لھو سے پہلے کرنا ہی زیادہ مناسب تھا اور اس کے خلاف مناسب نہ تھا۔

اب یہ سوال ہے کہ پھر اس آیت کے آخر میں یہ جو فرمایا ہے کہ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ تو یہاں کیوں لھو کو تجارت سے پہلے بیان کیا کیوں نہ یہاں بھی وہی ترتیب مدنظر رکھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں وہ بات نہیں بیان کی گئی جو پہلے حصہ آیت میں بیان کی گئی تھی بلکہ یہاں موضوع کے بدل جانے کی وجہ سے ترتیب میں بھی فرق کرنا ضروری تھا اور اگر ترتیب میں فرق نہ کیا جاتا تو نقص لازم آتا اور وہ اس لئے کہ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ لھو اور تجارت سے بہتر ہے پس یہاں ان دونوں الفاظ کی ترتیب میں یہ نہیں مدنظر رکھا جائے گا کہ دونوں میں سے کونسی شئے زیادہ غفلت کا باعث ہے بلکہ یہاں مدنظر رکھا جائے گا کہ مَا عِنْدَ اللّٰهِ کس چیز سے زیادہ بہتر ہے اگر لھو سے زیادہ بہتر ہے تو لھو کو پہلے رکھا جائے اور تجارت کو بعد میں۔ اور یہ بات ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ تجارت ایک حد تک اپنے اندر فوائد بھی رکھتی ہے یعنی اگر آخرت کے لئے سُکھ کا موجب نہیں تو کم سے کم اس دنیا کی زندگی کے لئے تو اس کے ذریعہ سے سامانِ راحت مہیا کیا جاسکتا ہے پس لھو جو نہ دنیا کے لئے بہتر ہے نہ دین کے لئے اس موقع پر اسی کو پہلے بیان کرنا ضروری تھا تا کہ کلام کی عظمت قائم رہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص من کیا دو من اٹھا سکتا ہے تو اس فقرہ میں من کو دو من سے پہلے بیان کرنا ضروری ہے اور اگر بر خلاف اسکے یہ کہے کہ فلاں شخص دو من کیا ایک من بھی اٹھا سکتا ہے تو کلام مُہمل ہو جائے گا اسی طرح اس جگہ اگر یوں بیان کیا جاتا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ تجارت سے بہتر ہے بلکہ لھو سے بھی تو کلام کی لطافت میں فرق آجاتا کیونکہ جب فضیلت میں مقابلہ ہو تو ضرور ہے کہ پہلے ایسی اشیاء پر فضیلت ظاہر کی جائے جو کم درجہ کی ہیں اور اس کے بعد ان پر جو

درجہ میں زیادہ ہیں اور اگر پہلے بڑے درجہ کی اشیاء پر فضیلت ظاہر کی جائے گی تو انکے بعد چھوٹے درجہ پر فضیلت کا ظاہر کرنا تحصیلِ حاصل ہوگا اور وہ حصہ کلام کا لغو اور بے فائدہ ہوگا پس اس موقعہ پر چونکہ مَا عِنْدَ اللّٰہِ کی فضیلت ظاہر کرنی مقصود تھی ضروری تھا کہ پہلے لھو کو بیان کیا جاتا جو تجارت سے ادنیٰ درجہ کی چیز ہے ورنہ کلام کی عظمت زائل ہو جاتی غرض کہ اس آیت نے تو ثابت کر دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں ترتیب کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اور کوئی لفظ اپنی جگہ سے ہلایا نہیں جاسکتا۔

میرا ان دونوں مثالوں کے بیان سے یہ مطلب ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت کی نسبت اپنے خیالات کے مطابق معنے کرنے کے لئے اس کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر قرار دینی ایک خطرناک راہ ہے اور کسی کا حق نہیں کہ بلا اجازت قرآن کریم اور بغیر تفسیر آنحضرت ﷺ کے ایسی جرأت کرے ورنہ امن اٹھ جائے گا اور جو شخص چاہے گا اپنی خواہش کے مطابق آگے پیچھے لفظ کر کے معنے کرلیگا میرا دل تو چاہتا تھا کہ میں جناب کو دکھاؤں کہ جس قدر آیات میں تقدیم و تاخیر فرض کرلی گئی ہے ان میں وہی ترتیب مناسب ہے جو قرآن کریم میں رکھی گئی ہے اور جنہوں نے اس کے خلاف کہا ہے وہ غلطی پر ہیں لیکن قلّتِ گنجائش مانع ہے اس لئے میں صرف ان دو مثالوں پر ہی اکتفا کرتا ہوں جن لوگوں کو تقدیم و تاخیر کی طرف توجہ ہوئی ہے اصل میں ان کو ایک دھوکا لگا ہے کہ انہوں نے ترتیب کے لئے پہلے کچھ قوانین اپنے ذہن میں بنائے ہیں کہ ترتیبِ الفاظ فلاں فلاں اصول کی بناء پر ہونی چاہئے لیکن چونکہ انسانی دماغ کمزور ہے وہ بہت سی وجوہات کو ترک کر گئے اگر وہ بجائے خود وجوہات کی ترتیب بنانے کے اللہ تعالیٰ کے کلام پر غور کرتے کہ اس میں کیسی ترتیب مدنظر ہے تو ان کو یہ ٹھوکر نہ لگتی آیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ میں بھی یہی غلطی لگی ہے اور اس کا باعث یہی ہے کہ بجائے قرآن کریم کے ماتحت اپنے خیالات کرنے کے قرآن کریم کو اپنے خیالات کے ماتحت کیا گیا اور یہ عقیدہ جما کر کہ حضرت مسیحؑ زندہ ہیں قرآن کریم پر غور کیا پھر جہاں مشکل پڑی وہاں تقدیم و تاخیر کے مسئلہ کے پیچھے پناہ لے لی لیکن حق یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا رفع ان کی وفات کے بعد ہُوا جیسا کہ کل مؤمنوں اور نبیوں کا ہوتا ہے اور اسی رفع کے حصول کے لئے مسلمانوں کو دعا سکھائی گئی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَارْفَعْنِیْ وَاجْبُرْنِیْ اور احادیث سے مؤمنوں کا رفع ثابت ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ یَقُوْلُ اللّٰہُ مَنْ تَوَاضَعَ لِیْ ھٰکَذَا رَفَعْتُہٗ ھٰکَذَا - (مسند احمد بن جنبل جلد اول صفحہ ۴۴)

آنحضرت ﷺ کی وفات پر صحابہؓ کا اجماع بھی اسی مسئلہ پر ہؤا ہے کہ کل انبیاء وفات پا گئے ہیں اور اسکی یہ وجہ ہوئی کہ آپ کی وفات پر حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ آپ ابھی زندہ ہیں اور دوبارہ تشریف لائیں گے اور آپ کو اپنے اس اعتقاد پر اسقدر یقین تھا کہ آپ اس شخص کی گردن اڑانے کو تیار تھے جو اسکے خلاف کہے لیکن حضرت صدیقؓ جب تشریف لائے اور آپ نے کل صحابہؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (اٰل عمران: ۱۴۵) تو حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میرے پاؤں کانپ گئے اور میں صدمہ کے مارے زمین پر گر گیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں یوں معلوم ہؤا کہ جیسے یہ آیت آج ہی اتری ہے اور ہم اس دن اس آیت کو بازاروں میں پڑھتے پھرتے تھے پس اگر کوئی نبی زندہ موجود ہوتا تو یہ استدلال درست نہیں تھا کہ جب سب نبی فوت ہو گئے تو آپ کیوں فوت نہ ہوتے حضرت عمرؓ کہہ سکتے تھے کہ آپ کیوں دھوکہ دیتے ہیں حضرت مسیحؑ ابھی زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں وہ زندہ ہیں تو کیوں ہمارے آنحضرت ﷺ زندہ نہیں رہ سکتے مگر سب صحابہؓ کا سکوت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سب صحابہ کا یہی مذہب تھا کہ حضرت مسیحؑ فوت ہو گئے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ اسی طرح امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ مَاتَ عِيْسٰى جیسا کہ کتاب مجمع البحار میں لکھا ہے باقی ائمہ کا سکوت ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی اس عقیدہ کے مخالف نہ تھے پس وفات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ بالکل صاف ہے اور قرآن کریم اور احادیث اسی کی مؤید ہیں جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اتِّبَاعِىْ (الیواقیت والجواہر مرتبہ امام شعرانی، صفحہ ۲۰) ہاں حیات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ بعد میں مسلمانوں میں رائج ہؤا ہے مگر اسکو مان کر قرآن کریم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

کوئی تعجب نہیں کہ اس مسئلہ کے پھیلنے کا باعث الفاظ يَنْزِلُ فِيْكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ بھی ہوں جو مسیح موعود کی نسبت آئے ہیں لیکن يَنْزِلُ سے يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ کسی طرح مراد نہیں ہو سکتا نہ قرآن کریم میں نہ حدیث شریف میں کہیں بھی آسمان سے اترنے کا ذکر نہیں آیا پس يَنْزِلُ کے آسمان سے اترنے کے معنی لینے درست نہیں ہو سکتے يَنْزِلُ کے معنی يَبْعَثُ کے ہی ہیں اور یہ لفظ مسیح موعود کی عظمت کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے جیسے کہ دجال کے لئے خروج کا لفظ ہے نزول کا لفظ ہمارے آنحضرت ﷺ کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے جیسے کہ فرمایا کہ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ

ذِکْرًا ۝ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ط قَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ لَهٗ رِزْقًا (الطلاق:۱۱-۱۲) اسی طرح قرآن کریم میں خلق کے معنوں میں بھی نزول کا لفظ آتا ہے جیسا کہ فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (الحدید:۲۶) یا یہ کہ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا (الاعراف:۲۷) پس لفظ نزول سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہونگے کیونکہ آسمان کا لفظ احادیث میں اس جگہ استعمال نہیں کیا گیا۔

اب میں دوسرے شبہ کا ازالہ بھی کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں کہ چونکہ ابھی تک دجال ظاہر نہیں ہؤا اس لئے مسیح بھی نہیں آسکتا اس کے جواب میں مَیں یہ عرض کرونگا کہ دجال ظاہر ہو چکا ہے لیکن لوگوں نے اسے پہچانا نہیں دجال کے معنے قاموس میں لکھے ہیں کہ فِرْقَۃٌ عَظِیْمَۃٌ تَحْمِلُ الْمَتَاعَ لِلتِّجَارَۃِ دجّال ایک بڑی جماعت کو کہتے ہیں کہ جو اموال تجارت کو دنیا میں لئے پھریں پھر دجال کے معنے ہیں ملمع ساز کے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت کوئی ایسی قوم بھی ہے یا نہیں جس کی تجارت سب دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور جو نہایت ملمع ساز ہے۔ تو ہماری نظر فوراً یورپین تاجروں اور پادریوں کی طرف پھر جاتی ہے جو مسیح کی خدائی کو عجیب رنگ آمیزی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اسوقت جس قدر عظیم فتنہ پادریوں کا ہؤا ہے اس کی نظیر کبھی نہیں ملتی چونکہ وہ اس کثرت سے دنیا میں پھیل گئے ہیں کہ ہر علاقہ میں ان کے آدمی موجود ہیں جو لوگوں کو صراط مستقیم سے پھیر کر اور راور راہوں پر چلانا چاہتے ہیں اور ان کے فتنہ کا مقابلہ مسلمانوں کی طاقت سے باہر ہے آنحضرت ﷺ نے بھی دجال سے مراد اشاعت مسیحیت ہی لی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دجال کے فتنہ سے محفوظ رہنا چاہے وہ سورہ کہف کی دس اول کی آیتیں اور دس آخر کی آیتیں پڑھے اور ان دونوں مقامات میں مسیحیوں کا ذکر ہے اور خدا کا بیٹا ماننے پر ناراضگی ظاہر کی گئی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دجال سے مراد آنحضرت ﷺ کے نزدیک بھی مسیحی فتنہ ہی ہے جن کے پادری اور دعاۃ دنیا کے ہر حصہ میں پھر کر ایک خدا کی بجائے تین خداؤں کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں ورنہ آپ ﷺ دجالی فتنہ سے بچنے کے لئے وہ آیات تلاوت کرنے کا حکم نہ فرماتے جن میں مسیحی مذہب کا رد ہے۔

اب جناب کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ دجال آگیا ہے اور یہ کہ دجالی فتنہ سے مراد پادریوں کا فتنہ

ہے جو ہزاروں طریقوں سے دنیا کو مسیحی مذہب میں شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کانے سے مراد یہی ہے کہ دین کی آنکھ اس کی بند ہو گی صرف دنیا میں مشغول ہو گا جیسا کہ ظاہر بھی ہے اور یہ تاویلات بعیدہ نہیں ہیں بلکہ احادیث اسکی تصدیق کرتی ہیں جیسا کہ ابنِ صیاد کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ اس کے پاس گئے اور حضرت عمرؓ نے اجازت طلب فرمائی کہ اسے قتل کر دیں اور قسم کھائی کہ یہی دجال ہے حالانکہ وہ کانا نہ تھا اور دوسری علامات بھی اس میں پائی نہ جاتی تھیں اور آنحضرت ﷺ نے بھی گو آپ کو قتل سے روک دیا لیکن قطعی طور پر اس کے دجال ہونے سے انکار نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی اور حضرت عمرؓ بھی اس بات کو قرین قیاس خیال فرماتے تھے کہ وہ علامات جو دجال کی بابت بیان کی گئی ہیں ممکن ہے کہ اپنے ظاہری معنوں کے علاوہ کسی اور رنگ میں پوری ہوں ورنہ چاہئے تھا کہ آپؐ حضرت عمرؓ سے فرماتے کہ تم اسے دجال کیونکر کہتے ہو حالانکہ نہ یہ کانا ہے نہ اس کے پاس گدھا ہے پھر یہ مدینہ میں رہتا ہے مگر آپؐ کا حضرت عمرؓ کے قول کا پوری طرح ردّ نہ کرنا ظاہر کرتا ہے کہ آپؐ دجال کے معاملہ میں تاویل کی گنجائش کے معتقد تھے۔

یہ امر بھی خاص طور پر قابل غور ہے کہ مسیح اور دجال کے متعلق جس قدر اخبار ہیں وہ سب بطور پیشگوئیوں کے ہیں اور اخبار غیبیہ ہمیشہ تعبیر طلب ہوتی ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے ہاتھ میں کڑے سونے کے دیکھے لیکن ان کی تعبیر یہ فرمائی کہ دو مدعیان کاذب خروج کریں گے اب جو شخص زور دے کہ میں تو اس تعبیر کو نہیں مانتا وہ غلطی کرتا ہے پس مسیح موعود اور دجال کی نسبت جس قدر اخبار ہیں محتاج تعبیر ہیں اور اپنے وقت پر ظاہر ہو کر ہی ان کی صداقت کا پتہ لگ سکتا ہے چنانچہ جب معاملہ کھل گیا تو اب بات صاف ہو گئی اور ہر ایک شخص جو ذرا بھی تدبر کرے سمجھ سکتا ہے کہ دجال سے مراد درحقیقت پادری لوگ ہی ہیں جو مسیح کی خدائی منواتے پھر رہے ہیں اور ان کے مارنے سے مراد ان کے مکائد کا دفعیہ ہے چنانچہ حدیث یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ بھی اسی بات پر شاہد ہے کہ مسیح موعود مسیحی دین کو دلائل و براہین سے ایسا ردّ کرے گا کہ آخر صلیب ٹوٹ جائے گی یعنی اکثر لوگ اسلام قبول کریں گے اور مسیحیت کا زور ٹوٹ جائے گا۔ ورنہ یہ خیال نہایت ہی لغو ہو گا کہ حضرت مسیح آکر لکڑیاں توڑتے پھریں گے یہ بات ایک نبی کی شان کے خلاف ہے۔

مذکورہ بالا دونوں شبہات کے دور ہونے کے بعد یعنی بعد اثبات وفاتِ مسیح و خروجِ دجال بموجب خبر آنحضرت ﷺ مسیح موعود کا اسی امت میں سے ہونا ضروری ہے اور اس کا زمانہ یہی

ہے کیونکہ دجال ظاہر ہو چکا ہے اور دیگر آیات بھی پوری ہو چکی ہیں اور چونکہ جیساکہ میں پہلے عرض کرچکا ہوں صرف ایک ہی شخص مدعی ہے اس لئے اس کے دعوے کو ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ورنہ تکذیب قرآن کریم واحادیث آنحضرت ﷺ لازم آتی ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعودؑ و مہدی مسعود کے دعوے پر جو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ شاہد ہیں ان میں سے چند بطور نمونہ مَیں پہلے لکھ آیا ہوں مگر یہ بھی بتادینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ آپ کی تائید میں اس قدر نشانات دکھائے ہیں اور ایسے زبردست دلائل سے آپ کی صداقت کو ثابت کیا ہے کہ ان کے بیان کرنے کی اس مکتوب میں گنجائش نہیں بلکہ وہ نہایت ضخیم کتب میں بیان ہو سکتی ہیں اور اکثر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں جنکی تعداد اسی (۸۰) سے بھی اوپر ہے درج ہیں اگر جناب کو اللہ تعالیٰ اس طرف متوجہ کرے کہ اس ہدایت کی تحقیقات فرماویں تو وہ کتب جناب کی خدمت میں پیش کی جاسکتی ہیں مگر میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان نشانات سے جو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کئے ہیں چند ایک بطور نمونہ بیان کردوں تاکہ آپ کے دعوے پر چند اور شہادتوں سے جناب کو آگاہی ہو جائے۔

اول تو میں آپ کا نہایت زبردست علمی معجزہ بیان کرتا ہوں جو قرآن کریم کے معجزہ کے مشابہ ہے اور وہ آپ کی بے نظیر عربی کتب ہیں جن کے ساتھ آپ بارہا اعلان کرتے رہے ہیں کہ مصر و شام و عرب کے علماء بھی اگر مل کر انکی نظیر لانا چاہیں گے تو نہ لاسکیں گے اور بعض کتب کے ساتھ آپ نے انعام بھی مقرر کیا ہے کہ اگر کوئی ان کی نظیر لاسکے تو میں اسے اس قدر انعام دونگا لیکن تعجب ہے کہ باوجود اس قدر عداوت کے جو علماء کو آپ سے تھی اور ہے اس وقت تک کسی شخص کو آپ کی عربی کتب کے مقابلہ کی جرأت نہیں اور جبکہ ایک شخص نے کوشش کرنی چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پیشتر اسکے کہ اسکی کتاب ختم ہو کر طبع ہوتی اس دنیا سے اٹھالیا اور اس طرح اپنے مأمور کی صداقت کو ثابت کردیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت ہماری جماعت کے آدمی مصر و شام و عرب میں موجود ہیں اور آپ کی کتب کو ان ممالک میں شائع کیا گیا ہے لیکن اس وقت تک کسی شخص کو جرأت نہیں ہو سکی کہ انکے مقابلہ پر کوئی کتاب تصنیف کرے بلکہ بیروت کے بعض بڑے بڑے علماء نے وہ کتابیں طلب کی ہیں اور ان کی خوبی کے مقرّ ہیں چنانچہ پچھلے دنوں میں بیروت کے ایک عالم مدرسہ سوریہ کے مہتمم صاحب ملے اور ایک دوسرے صاحب نے حضرت کی عربی کتب طلب کی ہیں اور ارادہ ظاہر کیا ہے کہ ان سے اپنے اہل ملک کو بھی فائدہ پہنچائیں اسی طرح جامع ازہر

کے دو علماء نے بھی آپ کی ایک کتاب پڑھ کر سخت حیرت ظاہر کی اور آپ کی کتب اپنے حلقہ از ھر میں تقسیم کرنے کے لئے طلب کیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ علمائے کرام نے بجائے جواب دینے کے مصنف کو گالیاں دینے میں کوئی کسر نہیں رکھی اور کفر کے فتوے لگائے اور اسلام کے مخالفین کی طرح چند صرفی نحوی غلطیاں نکالنی چاہیں لیکن جب ان کو وہی باتیں قرآن کریم اور احادیث میں دکھائی گئیں تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا لیکن باوجود بار بار غیرت دلانے کے کسی کو یہ طاقت نہ ہوئی کہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہی ان کتب کے خلاف لکھتا حالانکہ اس وقت ہندوستان میں بہت سے علماء موجود ہیں اور ان کو اپنے علم کا بہت دعویٰ ہے مگر اس معاملہ میں سب کی طاقتیں سلب ہو گئیں ہاں بعضوں نے یہ بھی کہا کہ آپ نے کوئی عرب چھپا رکھا ہے جو آپ کی جگہ کتابیں تصنیف کرتا ہے لیکن جب کہا گیا کہ تم لوگ اپنے ساتھ کل علمائے مصر اور شام کو شامل کر لو اور سب مل کر جواب دو تو بھی انہوں نے مقابلہ کی طرف رجوع نہ کیا۔ اور بات یہ ہے کہ یہ اعتراض وہی ہے جو قرآن کریم پر عربوں نے کیا تھا کہ یہ الہام نہیں بلکہ یہ کسی ایسے شخص کا کلام ہے جو نہایت فصیح اللسان ہے اور پوشیدہ طور پر محمد (ﷺ) کو سکھا دیتا ہے اور مسیحی آج تک یہ اعتراض کرتے چلے آئے ہیں پس اگر یہ اعتراض کوئی وقعت رکھتا ہے تو اس میں آپ اور آنحضرت ﷺ دونوں شریک ہیں اور کیا ہی مبارک ہے وہ انسان جسے آنحضرت ﷺ کے ساتھ کسی امر میں شرکت کا موقع ملے۔ غرض کہ آپ کی عربی کتب اب تک لاجواب پڑی ہیں اور کسی کو ان کا جواب لکھنے کی طاقت نہیں ملی۔ پس جس طرح قرآن کریم کی صداقت کی یہ دلیل ہے کہ اس کی نظیر لانے سے لوگ قاصر ہیں اسی طرح مسیح موعود کی صداقت کی بھی یہی دلیل ہے کہ آپ کی عربی کتب کی نظیر لانے سے لوگ قاصر ہیں اور اس کی وجہ کہ آپ کو وہ معجزہ کیوں دیا گیا جو آنحضرت ﷺ کو دیا گیا تھا یہ ہے کہ چونکہ مسیح موعود نے بسبب قرب روحانی آنحضرت ﷺ سے کامل مشابہت اختیار کرنی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بھی وہ معجزہ دیا جو آنحضرت ﷺ کو دیا تھا۔ ہاں آقا و خادم کے معجزہ میں یہ فرق ضرور ہے کہ وہاں تو تین آیات کا مطالبہ تھا اور یہاں کم سے کم ایک جزو لکھنے کی شرط ہے مگر نہ تو قرآن کریم کے مقابلہ میں کسی کو تین آیات لکھنے کی توفیق ملی اور نہ اب باوجود اس قدر اشاعت علوم کے کوئی شخص عرب و شام و مصر میں سے ایک جزو بھی آپ کی کتب کے مقابلہ پر لکھ سکا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

اس معجزہ کی شان اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعودؑ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور ان کی مادری زبان عربی نہیں اور پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ کسی مشہور عربی مدرسہ کے سند یافتہ نہیں نہ کسی مشہور عالم سے آپ نے تعلیم حاصل کی ہے بلکہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور اعجاز کے آپ کو یہ طاقت دی گئی ہے۔

بعض لوگ یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ بہت سے لوگ ہیں جنکی کتب بے نظیر ہیں لیکن اول تو یہ اعتراض قرآن کریم پر بھی پڑتا ہے۔ دوم ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سی کتب بے نظیر خیال کی گئی ہیں لیکن وہ کتب اس لئے قابل التفات نہیں کہ ان مصنفین نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ان کی کتب بے نظیر ہیں حالانکہ یہاں قبل از وقت دعویٰ موجود ہے اور باوجود مخالفت کے کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔

اس کے علاوہ ایک اور نشان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے اور وہ اپنے الہامات شائع کرنے کے بعد قریباً پچیس چھبیس سال کی زندگی کا عطا ہونا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۵ تا ۴۷) یعنی اگر یہ شخص ہم پر افتراء کرتا اور اپنی طرف سے الہام بنا کر سناتا تو ہم اس کی رگ گردن کاٹ دیتے اب ہم اس معیار کے مطابق آپ کے دعوے کو پرکھتے ہیں تو آپ کو براہین احمدیہ اپنی پہلی تصنیف کے شائع کرنے کے بعد ستائیس اٹھائیس سال تک زندگی عطا ہوئی حالانکہ آپ نے اس کتاب میں اپنے الہامات نہایت زور اور تحدی کے ساتھ شائع فرمائے تھے پس اگر آپ مفتری ہوتے تو ضرور تھا کہ کم سے کم تیئیس (۲۳) سال میں آپ ضرور ہلاک ہو جاتے کیونکہ آنحضرت ﷺ کو تیئیس سال مہلت ملی اور اگر کسی مفتری کو اس قدر مہلت مل سکتی ہے تو پھر نہ صرف اس آیت کی تکذیب ہوتی ہے بلکہ خود آنحضرت ﷺ کی صداقت پر شبہات وارد ہوتے ہیں پس آپ کا اس طویل عرصہ تک زندہ رہنا آپ کے برحق ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔

اگر یہ آیت کریمہ نہ بھی ہوتی تو بھی عقل کبھی اجازت نہیں دیتی کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ پر متواتر جھوٹ بولتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے کوئی سزا نہیں دیتا اگر اس طرح ممکن ہو تو سچے مأموروں اور کاذبوں میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں رہتا اور امان اٹھ جاتا ہے اور صداقت کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا اللہ تعالیٰ تو بہت ہی غیور ہے ہم دیکھتے ہیں کہ

دنیاوی حکومتیں سب سے زیادہ اس مجرم پر ناراض ہوتی ہیں جو جھوٹا عہدہ دار بن جاتا ہے اور پبلک کو دھوکا دیکر لوٹتا ہے۔ ایسا شخص کبھی بے سزا نہیں چھوڑا جاتا بلکہ اسے فوراً پکڑا جاتا ہے اور جناب تو اس مسئلہ کو دوسروں کی نسبت زیادہ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص جھوٹا حاکم بن جائے اور اس کی خبر نہ رکھی جائے تو حکومت کے سب کل پرزے کس طرح ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور کیونکر سب انتظام حکومت درہم برہم ہو جاتا ہے پس عقل سلیم بھی کبھی اجازت نہیں دیتی کہ ایک مفتری کو اس قدر عرصہ تک مہلت دی جائے کہ الہامات کے شائع کرنے کے بعد وہ آنحضرت ﷺ سے بھی زیادہ عمر پا جائے پس حضرت مرزا صاحبؑ کا اس قدر طویل عرصہ تک زندہ رہنا بھی اسی طرح آپ کی سچائی کی دلیل ہے جیسے کہ آیت لَوْ تَقَوَّلَ ہمارے آنحضرت ﷺ کے صدق دعویٰ پر دلیل تھی۔

اس کے بعد میں ایک اور عظیم الشان نشان کی طرف جناب کی توجہ کو منعطف کراتا ہوں جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا ہے اور وہ ایسا نشان ہے کہ جس کے بعد آپ کی صداقت میں کسی کو شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ سوا اس کے جسکی نسبت درگاہ ایزدی سے شقاوت کا فیصلہ ہو چکا ہو اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام پورا کرا دیا ہے جس کے لئے آپ بھیجے گئے تھے یعنی اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرنا۔

اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ آیت کریمہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف:۱۰) مسیح موعودؑ کے زمانہ میں پوری ہوگی پس مسیح کا اصل کام اسلام کو مضبوط کرنا اور اسے دوسرے ادیان پر غالب کرنا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کام حضرت مسیح موعود کے ہاتھ سے پورا ہوا ہے یا نہیں۔ اگر پورا ہو گیا ہے تو آپ وہی مسیح موعود ہیں اور اگر پورا نہیں ہوا تو ہمیں کسی اور مسیح کی انتظار کرنی چاہئے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو سب ادیان پر غالب کر دیا ہے تو پھر ہر ایک صداقت پسند انسان کا فرض ہے کہ حق کو قبول کرلے اور مسیح موعود کے دامن کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرے۔

قبل اس کے کہ میں اس امر کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔ یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ انبیاء و مأمورین صرف ایک بیج بو کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور وہ بیج ان کے بعد ترقی کر کے بہت بڑھ جاتا ہے اور اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں اور اس کی جڑھیں مضبوط ہو جاتی ہیں مثلاً حضرت مسیح ناصری جب دنیا میں تشریف لائے تو صرف چند آدمیوں نے ان کو مانا اور باقی قوم نے سخت

مخالفت کی لیکن ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ ناکام گئے کیونکہ وہ ایسے اصول مقرر فرما گئے جن سے مدد لیکر آپ کے متبع دوسروں پر غالب ہو گئے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ سب دنیا کے لئے مبعوث ہو کر آئے تھے مگر آپ کی وفات پر سب دنیا کو آپ کی بعثت کی خبر بھی نہ تھی۔ لیکن آپ اسلام کا بیج ایسی اعلیٰ درجہ کی زمین میں بو گئے تھے کہ ایک صدی کے اندر اندر وہ ایسا بڑھا کہ اسوقت کی کل معلومہ دنیا میں پھیل گیا پس یہ ضروری نہیں ہوتا کہ مأمور کے سامنے ہی سب کام ہو جائے بلکہ وہ ایک نمونہ دکھاجاتا ہے اور بعد میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔

اس امر کو بیان کر دینے کے بعد میں ایک مثال بتاتا ہوں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود علیہ السلام کو طاقت عطا فرمائی کہ آپ نے اسلام کو سب ادیان پر غالب کر کے دکھادیا۔ لاہور جو پنجاب کا دار الخلافہ ہے اس میں ایک عظیم الشان جلسہ اس غرض سے قرار پایا تھا کہ اس میں سب مذاہب کے پیرو حاضر ہو کر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں چنانچہ سب مذاہب کے قائم مقام اس جگہ جمع ہوئے اور ہر ایک مذہب کے قائم مقام نے اپنے مذہب کو برتر ثابت کرنے کی کوشش کی بڑے بڑے رؤساء و امراء اس جلسہ میں شامل ہوئے اور تمام ملک کی نظریں اسکے نتیجہ پر لگ رہی تھیں اس موقعہ پر جہاں اسلام کی طرف سے چند اور لوگوں نے اپنے اپنے مضامین پیش کئے حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنا ایک مضمون ارسال کیا اور نہ صرف مضمون ارسال کیا بلکہ قبل از وقت ایک اشتہار کے ذریعہ سے عام اطلاع دیدی کہ میرا مضمون بالا رہے گا جناب سمجھ سکتے ہیں کہ مخالفین کے جلسہ میں مضمون کا پڑھا جانا اور پھر ایک شخص کا اعلان کر دینا کہ میرا مضمون بالا رہے گا کیسا مشکل کام ہے مگر اللہ تعالیٰ کے کاموں کو کون روک سکتا ہے آپ کا مضمون پڑھا گیا لیکن چونکہ وقت تھوڑا تھا ختم نہ ہو سکا اس پر لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ یا تو اس مضمون کو سننے کے لئے تیار تھے یا جلسہ چھوڑ کر چلے جانے پر مستعد۔ آخر منتظمین جلسہ نے جن میں بڑے بڑے رؤساء اور سرکاری افسران شامل تھے فیصلہ کیا کہ آپ کے مضمون کے لئے اور موقع دیا جائے۔ مضمون کے ختم ہونے پر دوست و دشمن سب نے اقرار کیا کہ وہ مضمون سب مضامین پر بالا رہا اور منتظمین جلسہ نے اس خوف سے کہ اس طرح اشاعت اسلام نہ ہو آئندہ اس قسم کے جلسے کرنے بند کر دیئے اس مضمون کو انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا اور ولایت کے اخبارات نے بھی اس پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ یہ طریق اسلام کو پیش کرنے کا بالکل نیا ہے ایک اخبار نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ تیرہ سو سال کے اندر اسلام کی تائید میں اس سے زیادہ زبردست کوئی کتاب

نہیں لکھی گئی لیکن ان بیچاروں کو کیا معلوم کہ اسلام کی تائید میں اس شخص نے ایسی ایسی بے نظیر کتب لکھی ہیں کہ مخالف کبھی ان کا جواب نہیں دے سکتے مگر وہ انکی نظروں سے نہیں گزریں غرض کہ یہ ایک ایسا بے نظیر معجزہ ہے جس کی تائید مخالفین اسلام نے بھی کی ہے اور دشمنان اسلام نے بھی اقرار کیا ہے کہ اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرکے دکھا دیا گیا ہے اور یہی وہ کام ہے جس کے لئے مسیح موعود نے مبعوث ہونا تھا پس جب زمانہ بھی وہی ہے علامات بھی پوری ہو چکی ہیں ضرورت بھی سخت ہے مدعی بھی موجود ہے اس نے وہ کام بھی کر دیا ہے جس کے لئے مسیح موعود نے آنا تھا تو اس کی صداقت میں کونسا شک باقی رہ جاتا ہے؟۔

اس زمانہ کے مجدد کا نام مسیح موعود رکھنے میں بہت بڑی حکمت یہی تھی کہ وہ مسیحی مذہب کا مقابلہ کرکے اس کے زور کو توڑے گا چنانچہ اس کے لئے جسقدر سامان اس شخص نے مہیا کر دیئے ہیں انکے مقابلہ کی مسیحیوں کو بالکل طاقت نہیں اصل بات یہ ہے کہ مسیحی مناد مسلمانوں کو ہمیشہ اس طرح بہکاتے ہیں کہ دیکھو ہمارا مسیح زندہ ہے تمہارا نبی فوت ہو گیا ہمارا مسیح مردے زندہ کرتا تھا تمہارے نبی نے کوئی مردہ زندہ نہیں کیا۔ ہمارا مسیح آسمان پر ہے تمہارا نبی زیر زمین دفن ہے تمہارا نبی اب کبھی دنیا پر نہیں آئے گا ہمارا نبی ایک دفعہ پھر دنیا سے ظلمت کو دور کرنے کے لئے آئے گا اور آخری زمانہ کا فتنہ اسی کے ہاتھ سے دور ہو سکے گا۔ پس بتاؤ کہ دونوں میں سے کون افضل ہؤا۔ اب یہ ایسے اعتراض ہیں کہ جن کا جواب مسلمانوں سے کچھ نہ بنتا تھا اور اکثر گمراہ ہو جاتے تھے لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے زبردست دلائل سے اس خیال کو غلط ثابت کرکے مسلمانوں کو مسیحیوں کے ہاتھ سے بچا لیا اور اب مسیحیوں کی یہ حالت ہے کہ جہاں وہ یہ سن لیں کہ کوئی احمدی موجود ہے کبھی مقابلہ کی جرأت نہیں کرتے اور فوراً وہاں سے بھاگ جاتے ہیں بلکہ چند سال کی بات ہے کہ پنجاب کے لاٹ پادری لیفرائے صاحب نے ایک سرکلر کے ذریعہ پادریوں کو احمدیوں سے گفتگو کرنے سے روک دیا تھا کیونکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ مسیحیوں کے لئے شکست ہی ہوتا تھا۔ مرزا صاحب نے مسیح کی وفات ثابت کرکے اسلام کو زندہ کر دیا ہے اور اب مسلمان ہمیشہ کے لئے مسیحیوں کے پنجہ سے رہائی پا گئے ہیں۔

میں اسکو مانتا ہوں کہ یہ عقیدہ ہمیشہ سے مسلمانوں میں چلا آیا ہے اور قرون اولیٰ میں تو یہی عقیدہ رائج تھا لیکن اسلام کے بچانے کے لئے اس حربہ کو کبھی کسی شخص نے استعمال نہیں کیا بلکہ یہ خصوصیت حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ہی محفوظ رکھی گئی تھی۔

آپ نے اسی پر بس نہیں کی کہ مسیحیوں کو بتادیا کہ اسلام مسیح کے زندہ آسمان پر جانے کا قائل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے ایک اور زبردست کام کروایا کہ آپ نے اناجیل اور تواریخ سے یہ امر ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح واقعہ صلیب کے بعد زندہ بچ کر کشمیر میں آئے تھے اور کشمیر کی تاریخوں سے ثابت کر دیا کہ وہاں ایک مقبرہ موجود ہے جسکی نسبت لکھا ہے کہ یہ ایک نبی کا مقبرہ ہے جن کا نام عیسیٰ مسیح تھا اور وہ آنحضرت ﷺ سے چھ سو سال پہلے یہاں آئے تھے اور طب کی کتابوں سے اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ کتب طب میں ایک مرہم 'مرہم حوارئین یا مرہم عیسیٰ کے نام سے مشہور ہے جسکی نسبت لکھا ہے کہ وہ حضرت مسیح کے حواریوں نے آپ کے زخموں پر لگانے کے لئے بنوائی تھی اور آپ کے زخم (تاریخ سے) سوا صلیب کے زخموں کے اور ثابت نہیں۔

میں اس جگہ یہ بیان کر دینا بھی مناسب خیال کرتا ہوں کہ یہ عقیدہ کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر چڑھائے گئے تھے لیکن زندہ بچ گئے قرآن کریم کی آیت مَا صَلَبُوْهُ کے خلاف نہیں کیونکہ صلب کے معنے صلیب پر لٹکانے کے نہیں ہیں بلکہ صلیب پر مارنے کے ہیں جیسا کہ لسان العرب وغیرہ مشہور کتب لغت میں درج ہے۔

غرض کہ حضرت مسیحؑ ناصری کی کشمیر کی طرف ہجرت آپ نے اناجیل 'تواریخ بنی اسرائیل' اور تواریخ کشمیر سے ثابت کر کے اور پھر آپ کی قبر کا پتہ لگا کر مسیحی مذہب کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دیا ہے اور جسقدر مسیحیوں کو اس کا علم ہوگا اسی قدر وہ مسیحیت سے بیزار ہو کر اسلام کی طرف راغب ہونگے چنانچہ آپ نے جس وقت سے یہ تحقیقات شائع کی ہے کشمیر میں کثرت سے یورپین سیاح اس قبر کو دیکھنے جاتے ہیں اور گو یورپ میں ابھی اس تحقیقات کی کافی طور پر اشاعت نہیں ہوئی مگر پھر بھی ایک تہلکہ پڑ گیا ہے پچھلے دنوں میں ہی ایک شخص کا جرمن سے خط آیا ہے کہ مجھے اس مضمون کی کئی ہزار کاپیاں بھجوائی جائیں کیونکہ یہاں جن لوگوں نے آپ کے اس مضمون کو دیکھا نہایت حیران رہ گئے اور اس کی صداقت کے قائل ہو گئے۔

اصل بات یہ ہے کہ مسیحی اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ مسیح کا قول انجیل میں اب تک موجود ہے کہ میں بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کو جمع کرنے کو آیا ہوں اور ادھر بائبل سے اس بات کا کافی ثبوت مل جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کے تنزّل کے ایام میں بخت نصر بادشاہِ بابل بنی اسرائیل کو قید کر کے لے گیا تھا اور بعد میں جب میڈ اور فارس کے بادشاہوں کی مدد سے بنی

اسرائیل آزاد ہوئے تو انکے بارہ قبائل میں سے صرف دو قبائل واپس آئے اور دس قبائل افغانستان اور کشمیر میں آباد ہو گئے اور کشمیر اور افغانستان میں کثرت سے ایسی بستیاں موجود ہیں جنکے نام شام کی بستیوں سے ملتے ہیں۔ یہ امر اور بھی ثابت کر دیتا ہے کہ یہاں کے باشندے اصل میں شام کے ہی رہنے والے تھے خود کشمیر جو ملک کا نام ہے اس امر کا شاہد ہے کیونکہ کشمیری لوگ اپنے آپ کو کاشیری کہتے ہیں نہ کہ کشمیری۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل نام اس ملک کا کاشیر ہے یعنی کسیر۔ ملک سیر کی مانند۔ اور شام کا اصل نام سیریا ہی ہے جسکے معنے ہیں پھولوں کی زمین۔ اور چونکہ کشمیر میں بھی کثرت سے پھول ہوتے ہیں اس لئے بنی اسرائیل نے اپنے ملک کی یاد میں اس ملک کا نام کسیر رکھا یعنی سیریا کی مانند جو بگڑ کر کشمیر ہو گیا۔ غرض کہ روشن دلائل سے حضرت مسیح موعودؑ نے مسیح کی وفات کو ثابت کر دیا اور آپ کی قبر کا بھی پتہ بتا دیا جسکے بعد مسیحی مذہب کے پاس کوئی مفرّ نہیں رہتی کیونکہ جب حضرت مسیحؑ ہی فوت ہو گئے تو اب کفارہ اور ابنیت سب کچھ خود بخود باطل ہو گیا اسی طرح اور بہت سے طرق سے حضرت مسیح موعودؑ نے مسیحیت کی کمزوریاں دکھائی ہیں اور اسقدر مواد جمع کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو مسیحیوں پر فتح پانے میں اب کوئی روک نہیں بشرطیکہ مسلمان اپنی ضد اور ہٹ کو چھوڑ کر اس مأمور من اللہ کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیں خدا کرے یہ دن جلد آئے تا اسلام پھر اپنی اصل شان میں دنیا پر ظاہر ہو۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو طریق مباحثہ مسیحیوں کے لئے مقرر فرمایا ہے وہ ایسا زبردست اور ایسا مؤثر ہے کہ اسکے سامنے مسیحی بالکل ٹھہر نہیں سکتے اور یہ بات کل دنیا میں مسیحی پادریوں کے ذریعہ سے پھیل گئی ہے چنانچہ حِبیّ فی اللہ عزیزم شیخ عبدالرحمٰن مولوی فاضل جن کو میں نے عربی زبان کی اعلیٰ تعلیم کے حصول اور تبلیغ کے لئے مصر بھیجا ہے لکھتے ہیں کہ ایک عرب نے آکر ان سے سوال کیا کہ ہمیں پادری بہت ستاتے ہیں آپ کوئی ایسی دلیل بتائیں جس سے وہ آسانی سے شکست پا سکیں تو میں نے ان کو یہ دلیل بتا دی کہ انجیل سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح صلیب پر فوت ہو گئے بلکہ انجیل سے تو ان کا صلیب سے زندہ اترنا ثابت ہے اور سب حوالے اسے یاد کرا دیئے اس نے جا کر ایک بڑے پادری سے کہا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر فوت ہو کر ہمارے لئے کفارہ ہوا مگر وہ تو زندہ صلیب سے اترا تھا پادری صاحب نے سن کر کہا کہ غلط ہے انجیل سے یہ بات کہاں ثابت ہے جب اس عرب نے حوالجات سنائے تو بے اختیار بول اٹھا کہ ھٰذَا مِنَ الْقَادِیَانِ ھٰذَا مِنَ الْقَادِیَانِ اس نے جواب دیا کہ قادیان سے ہو یا کہیں سے۔ آپ جواب دیں تو اس نے زیادہ گفتگو سے انکار کر دیا۔

اس کے علاوہ کل مذاہب باطلہ پر حضرت مسیح موعودؑ نے اس طرح حجت قائم کی ہے کہ بڑے زور سے اعلان کیا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اسلام کے غلبہ کے لئے مبعوث کیا ہے اس لئے میں اعلان کرتا ہوں کہ سچا مذہب وہی ہے جو اپنے ساتھ نشانات رکھتا ہو اور جو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے تعلق کا ثبوت دے سکے اور میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اسلام اپنے اندر یہ شان رکھتا ہے کہ ہر وقت تازہ سے تازہ نشان دکھائے اس لئے جس شخص کو اسلام کی صداقت میں شک ہو وہ میرے مقابلہ کے لئے آئے۔ میں اس پر تازہ نشانات کے ساتھ اتمام حجت کرونگا اور اگر کوئی اور شخص کسی اور مذہب کی صداقت کا مدعی ہے تو اسے بھی چاہئے کہ میرے مقابلہ پر اپنے مذہب کی صداقت کا کوئی نشان دکھائے جو ایسی شان رکھتا ہو کہ اسے انسان کی بناوٹ نہ کہا جاسکے اور آپ نے بڑے زور سے فرمایا ۔

کرامت گرچہ بے نام و نشان است
بیا بنگر ز غلمانِ محمدؐ

مگر باوجود بار بار کے اعلان کے کسی مذہب کے پیروؤں کو جرأت نہ ہو سکی کہ اپنے مذہب کی زندگی کا ثبوت دیں اور سب لوگ اس مقابلہ سے جی چرا گئے اور اس طرح اسلام کا سب ادیان پر غلبہ ہوا میں اس اصل پر مفصل گفتگو کر آیا ہوں کہ سچا مذہب وہی ہو سکتا ہے جس کا مدار قصوں پر ہی نہ ہو بلکہ وہ اپنے ساتھ تازہ نشانات رکھتا ہو اور یہ وہ معیار ہے جسے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے مخالفین کے سامنے پیش کیا اور کوئی مذہب بھی اس معیار پر پورا نہ اتر سکا سوائے اسلام کے۔ پس مسیح موعود کی ذات سے وہ وعدہ پورا ہؤا کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف:۱۰)

پنجاب میں ایک جماعت ہے جو سکھوں کے نام سے مشہور ہے اور گورنمنٹ برطانیہ کی سپاہ میں ان کا بہت سا حصہ ہے اور بہادری میں خاص طور پر مشہور ہے اس پر بھی ایک خاص رنگ میں آپ نے اتمام حجت کیا اور خود انہی کی کتب سے ثابت کردیا کہ باوا نانک صاحبؒ جو اس فرقہ کے بانی ہیں مسلمان تھے اب یہ مذہب زیادہ تر ہندوؤں میں مل گیا تھا اور بالکل انہیں کی رسومات کا پابند تھا لیکن آپ کے زبردست دلائل کا یہ اثر ہؤا کہ ہندوؤں میں جذب ہونے کا جو میلان ان میں پیدا ہو رہا تھا یکلخت رک گیا اور اب ان میں سے بہت سی سعید روحیں اسلام کی طرف مائل ہیں اور سکھوں میں سے کئی اسلام بھی لا چکے ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ عنقریب ان میں سے ایک کثیر گروہ

اسلام کو قبول کر لے گا۔

غرض کہ حضرت مسیح موعودؑ نے تمام مذاہب پر متفقہ طور سے اور فرداً فرداً اس رنگ میں حجت قائم کی ہے کہ اب ان میں سے کوئی بھی اسلام کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا اور حقیقی معنوں میں اسلام کو دوسرے ادیان پر غلبہ حاصل ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت جلد وہ دن پھر آرہے ہیں کہ جب دوبارہ آیت یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا وعدہ پورا ہو گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے مسیحیت کا دعویٰ کیا اور اس دعوے کے بعد بجائے غضب الٰہی کا مورد بننے کے اس نے اس کام کو پورا کر کے دکھا دیا جس کے لئے مسیح کی بعثت ہونی تھی تو کیوں اسکے دعوے کی صداقت کو قبول نہ کیا جائے اور جب اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہو چکے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایسے واقعات سے جو اسلام کی عزت کا موجب ہیں آنکھیں بند کر کے یہی کہا جائے کہ نہیں ابھی آگے کوئی اور زمانہ آئے گا جبکہ یہ وعدے پورے ہونگے جبکہ مرزا صاحب کی ذات سے مسیح موعود کا کام پورا ہو گیا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہی مسیح موعود ہیں۔

یہ کام تو بیرونی حملوں کے دفعیہ کے متعلق تھا اب میں اندرونی اصلاح کا ذکر کرتا ہوں کہ آپ نے اندرونی اصلاح کیا کی ہے لیکن میں لمبی تفصیلات میں نہیں پڑنا چاہتا کیونکہ اگر میں ان تمام غلطیوں کے ازالہ کا ذکر کروں جو مختلف فرقِ اہلِ اسلام میں پائی جاتی تھیں تو یہ مضمون بہت لمبا ہو جائیگا اس لئے میں مختصر اسقدر عرض کر دیتا ہوں کہ آپ نے قرآن کریم کی اصلی غرض اور مقصد سے مسلمانوں کو آگاہ کیا اور قدیم سنت اللہ کے ماتحت باوجود علماء کی سخت مخالفت اور گندے سے گندے مقدمے بنانے کے اللہ تعالیٰ نے آپکو فتح دی اور آپ نے ایک جماعت قائم کر دی جو اب بہت بڑی تعداد تک پہنچ گئی ہے اور پنجاب و ہندوستان کے ہر گوشہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے ماننے والے موجود ہیں بلکہ ہندوستان سے نکل کر اب عرب، شام، چین، مصر، افریقہ اور انگلستان تک اس جماعت کا اثر پھیل گیا ہے اور غیر ممالک کے لوگ بھی اس طرف متوجہ ہو رہے ہیں گو میں تسلیم کرتا ہوں کہ ابھی غیر ممالک میں اس فرقہ کی طرف بہت کم توجہ ہوئی ہے لیکن اسکی یہ وجہ ہے کہ بہت قلیل عرصہ سے ہم نے غیر ممالک میں تبلیغ کا کام شروع کیا ہے مگر یہ تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ ابتداء میں دین نہایت آہستگی سے بڑھتا ہے اور قلیل تعداد سے کسی فرقہ کی صداقت میں شک نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ فرقہ ترقی کر رہا ہے یا گھٹ رہا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے کفار عرب کے اس قسم کے ایک اعتراض کے جواب میں فرمایا ہے کہ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء:۴۵) یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو روز بروز کناروں کی طرف سے کم کرتے آتے ہیں پس کیا اس بات کے باوجود وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ غالب ہو جائینگے یعنی جبکہ روز بروز اسلام ترقی کر رہا ہے اور وہ کم ہو رہے ہیں تو پھر کیونکر خیال کرسکتے ہیں کہ وہ غالب ہو جائینگے پس اسی سنت کے ماتحت مسیح موعود کی جماعت کا معاملہ ہے کہ ہر روز وہ ترقی کر رہی ہے اور ایک شخص سے ترقی کر کے ہر علاقہ اور ہر ملک میں اسکے ماننے والے پیدا ہو گئے ہیں اور یہ ترقی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بہت جلد اس جماعت کے ہاتھوں سے اسلام کو دیگر ادیان پر غلبہ ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

پس مسیح موعود کی اندرونی اصلاح کا یہ کام ہے کہ آپ نے ایک زبردست جماعت قائم کر دی ہے جو تقویٰ اور طہارت میں ایک نمونہ ہے اور دشمن بھی اس بات کے معترف ہیں کہ جہاں کوئی شخص احمدی ہوتا ہے اسکا رنگ ہی بدل جاتا ہے اور اسکے اندر ایسی اصلاح پیدا ہو جاتی ہے کہ اسکی پہلی زندگی کا اگر نئی زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے اور ہزاروں ہیں جو اخلاص میں ترقی کرتے کرتے صحابہؓ کا نمونہ ہو گئے ہیں اور دین کے لئے اپنی جان اور اپنا مال اور اپنا وطن اور اپنے عزیز و رشتہ داروں کی قربانی انکی نظروں میں حقیر ہے دنیا کے لوگوں کی نظروں میں وہ غریب اور کمزور ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے حضور انکو ایسی عظمت حاصل ہے کہ انکو دکھ دینے والے کبھی سکھ نہیں پاتے اور جو شخص انکو ستاتا ہے وہ ضرور ذلت و رسوائی کا منہ دیکھتا ہے یا سنت اللہ کے ماتحت اگر ایک قلیل حصہ اس جماعت کا بھی کمزور ہو اور حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم سے فائدہ نہ اٹھا سکا ہو تو وہ اور بات ہے اور کسی حصہ کا کمزور ہونا اس سلسلہ کی صداقت کے منافی نہیں کیونکہ کمزور آدمی ہر جماعت میں موجود ہوتے ہیں حتّٰی کہ صحابہؓ میں بھی تھے اور آنحضرت ﷺ کی زندگی کے آخری ایام تک ایک گروہ منافقین کا موجود تھا پس ایک قلیل گروہ کو چھوڑ کر اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کے خاص فضل ہیں۔

اور جناب خیال کرسکتے ہیں کہ جو لوگ روزانہ تازہ بتازہ نشانات کو دیکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ایسا معائنہ کریں گے کہ گویا خدا سامنے نظر آگیا انکا ایمان کیسا مضبوط ہو گا؟ اور وہ اخلاص میں کس قدر ترقی کر جائیں گے۔ ایک چور کبھی پولیس مین کی موجودگی میں چوری نہیں کرتا پس جن لوگوں کو علم ہو جائے اور وہ اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرتوں کا معائنہ کرلیں وہ کب گناہوں کے قریب جاسکتے ہیں اور ان کے دلوں میں دنیا کی حرص و آز کب باقی رہ سکتی ہے۔ ان کے

دلوں سے تو تمام میل دھوئی جائیگی اور وہ ایسے ہو جائینگے جیسے حمام سے تازہ نہا کر نکلنے والا۔ سو خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسیح موعود کی دعاؤں اور کوششوں کا نتیجہ دن بدن زیادہ سے زیادہ کامیابی کی شکل میں نکل رہا ہے۔

میں اس جماعت کے ایک شخص کا مختصر حال جناب کو بتاتا ہوں جس سے جناب کو معلوم ہو جائیگا کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس جماعت کے مخلصین کے دلوں کو مضبوط کر دیا ہے۔ افغانستان کے ایک بزرگ جن کا نام سید عبد اللطیف تھا اور جو وہاں ایسے معزز تھے کہ امیر حبیب اللہ خان صاحب کی تاجپوشی کی رسم انہوں نے ہی ادا کی تھی حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر سنکر قادیان تشریف لائے اور یہاں سے جب واپس گئے تو انکی کابل میں سخت مخالفت ہوئی اور امیر صاحب کو علماء کے شور سے مجبور ہو کر انکو نظربند کرنا پڑا انہوں نے سب علماء کو چیلنج دیا کہ وہ میرے ساتھ حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے پر بحث کرلیں لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی آخر سب علماء نے آپ پر سنگسار کئے جانیکا فتویٰ دیا اور امیر صاحب نے بار بار آپ کو کہا کہ آپ ظاہرا طور پر ہی اس عقیدہ کو ترک کر دیں لیکن انہوں نے نہ مانا آخر سنگساری کے وقت پھر امیر صاحب نے کہا مگر انہوں نے یہی جواب دیا کہ یہ دن تو میرے لئے عید کا دن ہے آپ مجھے کس طرف بلا رہے ہیں۔ میں تو خدا تعالیٰ کے عہد کو پورا کر رہا ہوں اور جب انہوں نے کسی صورت سے حق کا انکار نہ کیا تو نہایت بے رحمی سے انہیں سنگسار کیا گیا مگر پتھروں کی بوچھاڑ کے وقت انہوں نے ایک ذرہ بھر بھی گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔

اس واقعہ سے جناب معلوم کر سکتے ہیں کہ مسیح موعود نے کیسا ایمان اپنی جماعت کے دلوں میں پیدا کر دیا ہے اور جُہّال کے دلوں میں نہیں جو جہالت کی وجہ سے اس قسم کے کاموں کے لئے تیار ہو جاتے ہیں بلکہ سید عبد اللطیف جیسے علماء کے دلوں میں جو ہر ایک امر کو سوچ سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔

اس عام اصلاح کے علاوہ میں ایک خاص امر کو اس جگہ ضرور بیان کر دینا چاہتا ہوں اور وہ حضرت مسیح موعودؑ کا اپنی بیعت کی شرائط میں وفاداریٔ حکومت کا شامل کرنا ہے آپ نے قریباً اپنی کُل کتب میں اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی ہے کہ وہ جس گورنمنٹ کے ماتحت رہیں اس کی پورے طور پر فرمانبرداری کریں اور یہاں تک لکھا کہ جو شخص اپنی گورنمنٹ کی فرمانبرداری نہیں کرتا اور کسی طرح بھی اپنے حکام کے خلاف شورش کرتا اور انکے احکام کے نفاذ میں روڑے اٹکاتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں اور یہ ایک ایسی مفید اصلاح ہے کہ اسکے ذریعہ آپ نے گویا کل دنیا پر احسان کیا ہے اور روزمرہ کے فسادوں اور جھگڑوں سے اور ہر قسم کی بغاوت سے امن دیدیا ہے اور

صرف زبانی طور پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ یہ سبق آپ نے جماعت کو ایسا پڑھایا کہ ہر موقعہ پر جماعت احمدیہ نے گورنمنٹ ہند کی فرمانبرداری کا اظہار کیا ہے اور کبھی کسی خفیف سے خفیف شورش میں بھی حصہ نہیں لیا اور یہ حکم صرف گورنمنٹ برطانیہ کے لئے نہیں بلکہ جس حکومت کے ماتحت احمدیہ جماعت رہتی ہو اسے حکم ہے کہ وہ اسکی کامل فرمانبردار اور ممدّ ہو اور اگر کوئی احمدی اسکے خلاف کرے تو وہ بموجب جناب کے صریح حکم کے احمدی ہی نہیں کہلا سکتا۔

اب میں اپنے اس مکتوب کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جناب ان تمام امور پر جو میں نے اس خط میں تحریر کئے ہیں غور فرمائیں گے اور اگر آپ چاہیں تو میں ایسی کتب بھی آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں جو حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے دلائل پر اور زیادہ روشنی ڈالتی ہیں اور اس سے بھی زیادہ مفید یہ طریق ہو سکتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں چند علماء جناب کی خدمت میں بھیج دوں جو جناب کے پاس پندرہ بیس دن تک حاضر رہیں اور جناب ہر ایک ضروری مسئلہ پر ان سے گفتگو فرمائیں۔

چونکہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ ایک عظیم الشان دعویٰ ہے اور ہر ایک شخص کا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے فرض ہے کہ اس پر غور کرے اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ جناب اس پر ضرور پورے طور پر غور فرمائیںگے اور جناب کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ جناب کے اعمال کا اثر صرف آپ کی ذات پر ہی نہیں پڑتا بلکہ آپ کی رعایا میں سے بہت سا حصہ آپ کے اعمال کی نقل کرتا ہے پس آپ کا ایک صداقت کو قبول کرنا صرف ایک ہی آدمی کا سچائی کو قبول کرنا نہیں ہے بلکہ ممکن ہے کہ اسکے ذریعہ ہزاروں کو ہدایت ہو اور ان سب کا ثواب آپ کے نام لکھا جائیگا اسی طرح آپ کا انکار صرف آپکا انکار نہیں بلکہ وہ بہتوں کے لئے رکاوٹ کا باعث ہوگا جس کے لئے جناب اللہ تعالیٰ کے حضور میں جوابدہ ہیں کیونکہ اس شہنشاہ کے سامنے بادشاہ و گداسب کو جوابدہ ہونا ہوگا مجھے جو حکم دیا گیا تھا کہ میں جناب کی خدمت میں سلسلہ کے حالات عرض کروں مَیں اپنے فرض سے سبکدوش ہوتا ہوں اور اب جناب کا اختیار ہے کہ خواہ اس نعمت عظمیٰ کو یعنی خادم خاتم النبیّین کی اتباع کو قبول فرمادیں جو ساری دنیا کی بادشاہت سے بڑھ کر ہے اور خواہ رد فرمادیں۔

یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو اس مبارک زمانہ میں پیدا کیا ورنہ لاکھوں بزرگ اور علماء اور امراء اس بات کی حسرت کرتے ہوئے مرگئے کہ کسی طرح ان کو مسیح موعود کا زمانہ ملے گو مسیح موعود فوت ہو چکے ہیں مگر ان کے دیکھنے والے موجود ہیں پس یہ زمانہ غنیمت ہے وہ دن آتے

ہیں جبکہ زبردست بادشاہ اس خدا کے مرسل کے سلسلہ میں داخل ہوں گے لیکن مبارک ہے وہ جو سب سے پہلے اس نعمت کو حاصل کرتا ہے کیونکہ کوئی زمانہ آئے گا جبکہ اپنی بادشاہتیں دیکر خواہش کریں گے کہ ہمیں بھی وہ فضیلت حاصل ہو جائے جو مسیح موعود کے قریب کے لوگوں کو حاصل تھی۔

آخر میں مَیں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا سینہ کھول دے اور آپ کو میری باتوں پر غور کرنے کی توفیق دے کیونکہ اس کے فضل کے سوا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ میں نے ایک حکم کے ماتحت جناب کو مخاطب کیا ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ مجھے لغو حکم نہیں دیا گیا ضرور ہے کہ جلد یا بدیر میری یہ تحریر کوئی عظیم الشان نتیجہ پیدا کرے گی جو اس ملک کی قسمت میں ایک حیرت انگیز تغیر پیدا کردیگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی باتیں لغو نہیں ہوتیں خدا کرے اس برکت میں سے جو جلد نازل ہونے والی ہے جناب کو بھی بہت سا حصہ ملے۔ والسلام

خاکسار مرزا محمود احمد

خلیفہ ثانی حضرت مسیح موعودؑ